دفینے

دلچسپ و رنگین سچے افسانوں کا مجموعہ

امداد انصاری

پبلشرز

نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی

(جناح برقی پریس دہلی)

بار دوم

پیش نامہ

از حضرت ماہر القادری

دورِ جدید میں افسانہ نگاری نے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ پھولوں کی سیج سے لیکر پھانسی کے تختہ تک افسانہ نگار کا قلم زندگی کے سچے خاکے بناتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ادب اور زندگی میں کوئی حدِ فاصل باقی نہیں رہتی۔ آج کا افسانہ نگار زندگی کا ترجمان ہے۔ اور یہی ترجمانی افسانہ کے قالب ڈھل کر "سحرِ حلال" بن جاتی ہے ——!

جناب امداد انصاری کا ملک کے اُن نوجوان افسانہ نگاروں میں شمار کیا جاسکتا ہے جن سے اردو ادب کی بہت کچھ توقعات وابستہ ہیں۔ امداد کے افسانوں میں قوتِ تخلیق بہت کچھ پائی جاتی ہے۔ اور جذبات کے طوفان میں بھی ان کا قلم افسانہ کے بنیادی تخیل سے نہیں ہٹتا۔

"دفینے" میں عشرتِ ساحل ہی نہیں اضطرابِ دریا بھی ہے۔ اسکے مصنف نے گرم و جوان جذبات کو الفاظ میں اسطرح سمو دیا ہے کہ بہت سے مقامات پر "شعلہ و شبنم" کی یکجائی کا گمان ہوتا ہے۔ طرزِ ادا دلنشیں ہی نہیں نفسیاتی بھی ہے۔ خیالات میں سُلجھاؤ پایا جاتا ہے۔ رومان کا رنگ جہاں زیادہ گہرا ہو گیا ہے اسکی ذمہ داری مصنف کے جوان و خود آزما جذبات پر عائد ہوتی ہے کہ اس طوفانی دور میں ایک دردمند دل کا بے چین ہونا جوانی کی توہین ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا۔ اور پڑھنے والے محسوس کرینگے کہ اردو لٹریچر میں شاید کوئی نئی چیز نئے انداز میں ان کے سامنے آرہی ہے۔ جوانی میں بھول چوک ہو ہی جاتی ہے مصنف کی قلم کی لغزش کو حسین لغزش سمجھ کر نظر انداز کردینا چاہیئے، ان ہی لغزشوں کے اُفق سے ایک دن حقیقت کا آفتاب طلوع ہوگا۔

"دفینے" میں اربابِ فکر اور اہلِ دل کی پذیرائی کیلئے سامان موجود ہے۔ میں نے رواداری میں یہ چند سطریں لکھدی ہیں۔ کتاب کی صحیح قدر و قیمت تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔

"دفینے" مجھے میرٹھ کی نوچندی کی طرف لئے جارہے ہیں۔ امداد صاحب بھی ہمراہ ہونگے۔ انکی افسانوی نگاہ کے اعتقاب سے ڈرتا ہوں کہ میری کسی نگاہ کو وہ "تاریخی رومان" نہ بنادیں ——!

ماہر القادری

نذر

.... تمہارے نام!

تمہارا

امداد

مقدمہ

از جناب اختر انصاری۔ بی۔ اے (آنرز) بی۔ ٹی
علیگ دہلوی

کسی کتاب پر مقدمہ لکھنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ اگر مقدمہ نگار تکلف کو بالائے طاق رکھ کر اور اپنی ذمہ داری کے احساس کو بھلا کر تصنیف اور مصنف کی مدح سرائی اپنا مقصد بنا لے تو یہ ایک نہایت آسان کام ہے۔ اس قسم کے مقدمے اپنی نوعیت کے لحاظ سے عام طور پر ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو تقریباً ہر تصنیف کے ساتھ نتھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر مقدمہ نگار کوئی ایسی چیز لکھنا چاہتا ہو۔ جو بے لاگ تنقید کے معیار پر پوری اُترے تو مقدمہ لکھنا درحقیقت بہت ہی مشکل کام ہے۔ جس مصنف نے آپ سے مقدمہ لکھنے کی درخواست کر کے آپ کی اہمیت میں اضافہ کیا ہو اس کے متعلق اصلی رائے کو بلا کم و کاست لکھ دینا کافی جرأت کا کام ہے!

امداد ایک نوجوان ادیب ہیں۔ اور اُن کی ادبی زندگی کی عمر تقریباً چار سال ہے۔ ان کا کام مقدار اور نوعیت کے لحاظ سے ابھی ایسا نہیں ہے کہ کسی وزن دار تنقیدی مقالے کا متحمل ہو سکے۔ نہ اس میں کچھ ایسے دقائق و غوامض پائے جاتے ہیں کہ اُنکی تشریح و تفصیل اور پڑھنے والوں کے سمجھانے کے لئے۔ ایک بسیط مقدمہ درکار ہو۔

یہ کہانیاں دراصل چند تاریخی واقعات ہیں جو افسانوی پیرائے میں پیش کئے گئے ہیں۔ اردو زبان کے ادب میں افسانے کے فن نے جو غیر معمولی ترقی گذشتہ چند سالوں میں کی ہے۔ اس سے ہر شخص واقف ہے۔ ہمارے یہاں مختصر افسانہ نگاری کی عمر بیس سال کے لگ بھگ ہو گی۔ اس قلیل مدت میں چند ایسے افسانہ

نگاروں کا پیدا ہو جانا خواہ اُن کی تعداد کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو ۔ جن کی تخلیقات مغربی ادب کے کارناموں کے مقابلے میں پیش کی جا سکیں ۔ کوئی معمولی بات نہیں ہے ۔ اس تمام ترقی کے ذمہ دار آج کل کے وہ نوجوان ترقی پسند افسانہ نگار ہیں ۔ جنہوں نے تقریباً چھ سات سال قبل لکھنا شروع کیا تھا ۔ ان افسانہ نگاروں کا کام معیار کی بلندی کے ساتھ تنوع کی خصوصیات بھی اپنے اندر رکھتا ہے ۔ مگر اس تنوع کے باوجود اُنہوں نے افسانے کی اُس صنف کو بالکل نظرانداز کیا ہے جسے تاریخی افسانہ یا تاریخی رومان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ سچ پوچھئے تو یہ اُن کا بھی قصور نہیں ۔ موجودہ دور کے مسائل اتنے شدید اس درجہ توجہ طلب ہیں کہ ہماری نظریں "حال" سے ہٹ کر بمشکل ہی "ماضی" پر پڑ سکتی ہیں ۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری افسانہ نگاری میں تاریخ کے ہزاروں لاکھوں ۔ اہم اور دلچسپ واقعات سے مستفید ہونے کی کوئی بلند کوشش نظر نہیں آتی ۔

امداد انصاری نے اس طرف توجہ کر کے دوسرے افسانہ نگاروں کی اسی بے توجہی کی تلافی کی ہے ۔ یہی اُن کے کام کا سب سے قابلِ ذکر وصف ہے ۔ وہ اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں ۔ اس کا فیصلہ کتاب کے پڑھنے والے خود کریں گے ۔ میں صرف اتنا کہوں گا کہ اگر ان کہانیوں کی اشاعت سے ہمارے افسانہ نگاروں کو مطالعے کے ایک نئے میدان کا علم ہو گیا ۔ تو یہ بہت بڑا کام ہو گا ۔!!

اختر انصاری

نقشِ اوّل

(عرضِ مصنّف)

تاریخ و سوانح شروع ہی سے میرے پسندیدہ رہے ہیں۔

اب سے پانچ سال پہلے اختر انصاری کی چھوٹی سی نجی لائبریری میں —— جو تاریخ و افسانوی ادب پر چنی ہوئی معیاری کتابوں سے مالا مال ہے میں بیٹھا بیٹھا اپنے پسندیدہ ادب کے گراں بہا دفینے کھود کھود کر ان میں سے انمول جواہر ریزے جمع کیا کرتا تھا۔ اختر صاحب نے اپنی شاہکار کہانیوں پر میری رائے کو اکثر صحیح اور جائز قرار دیا۔ انھوں نے میرے اندر صلاحیتیں محسوس کیں اور ایک روز مجھے کارزار ادب میں لا کھڑا کیا۔ جو کچھ دماغی خزانوں میں محفوظ تھا وہ کشمیر کی کسی بلند چوٹی پر برف کی طرح منجمد معلوم ہوا۔ اختر صاحب کی میٹھی میٹھی ترغیب گرما گرم ادبی نشستوں میں فیضِ صحبت، خاموش و پُرخلوص اعانت اور سب سے زیادہ محبت کے اس نرم گرم ہاتھ کی تمازت نے جو ہمہ وقت میری پشت پناہ رہی —— میرے دماغ میں "تحریک" شروع کی، ایک سیال پھیلاؤ ہوتا رہا اور آخر کار خام مواد کے سلسلہ میں —— جو اس عرصہ میں میں نے اپنے دماغی تہ خانوں میں ٹھوس سونے کی طرح محفوظ کر لیا تھا۔ پھیلاؤ شروع ہوا، اور حافظ کی جوئیوں سے تیز تیز بہاؤ جلدی ہو گیا۔

میری ادبی صلاحیتوں کے دوران میں آختر صاحب نے میرے لئے نئی راہیں کھول دیں، طرزِ نگارش اسلوبِ فن اور اظہارِ جذبات کے سلسلے میں اختر صاحب میرے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے، یہ تاریخی جواہر ریزے میں نے غیر زبانوں کی مستند قدیم تصنیفوں کے دفینوں میں بلا تراشی ہوئی حالت میں دبے ہوئے پائے اصلی واقعات، مطالعہ کی یادداشت اور حوالوں کی معلومات پر ایستادہ ہیں۔ زبان درومان کی شیرینی میرا حصہ ہے کہ ؎

مرزا... نہیں دنیا کو مذکور محبت میں
چڑھاؤ چلیے دداک نہ جبتک اس فسانے

طبع زاد کہانیوں کے بڑے سے بڑے ہندوستانی مصنّف اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ نامناسب ماحول اور مشاہدہ کی کمی کے سبب سے وہ اپنی بلند سے بلند کہانیوں میں کوئی بہت اعلےٰ معیار قائم کرنے میں حسب دل خواہ کامیاب نہ ہو سکے اور غیر زبانوں کی کہانیوں کا معیار بحیثیت مجموعی اُن کے معیار سے بلند رہا۔

طبع زاد کہانیوں کی نسبت سچّے افسانے زندگی سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں۔ اُن اُن میں ٹھوس واقعات کی ہم آہنگی خیالی کہانیوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ ان تاریخی رومانوں میں ترجمہ کا کوئی شائبہ نہیں۔ انہیں بے حد بیباکی سے اپنی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس لئے ان کے خدوخال مسخ نہیں ہوئے۔ ان کی حقیقی کیفیات آپ کے لئے انسانی فطرت کے بے نقاب مطالعہ کا باعث ہونگی۔۔۔ اور محض اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر میں نے یہ سچّی کہانیاں اپنے رنگ میں پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔!

بہت ممکن ہے واقعات کی سادگی آپکو کہیں کہیں اکھرے۔۔۔ لیکن معاف کیجئے گا۔ زندگی محض رنگینی ہی تو نہیں!۔۔۔ مزاح تلخیاں اور رنگینیاں سب ہی سے ملکر تو زندگی ترتیب پاتی ہے۔ ہاں! محض تصورات رنگین ہو سکتے ہیں، اور شاید اسی نسبت سے آپکو "رنگینیے" کا مذاق پارینہ میں مختلف چاشنیاں میسّر آجائیں۔

میری یہ پہلی اور ناچیز کوشش ہے، اسلئے تنقید زیادہ آپ انہیں ہمّت افزائی کے مقصد سے ملاحظہ کیجئے ان میں اکثر کہانیاں ملک کے اچھے پرچوں میں چھپ چکی ہیں۔ اور ارباب ذوق کے حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔

انہیں پڑھکر۔ اگر آپ بیک وقت۔ ایک سرد آہ اور ایک گریہ گم زدہ ایسی دھیمی سی لہر جو اکثر دل کے کسی عمیق گوشے میں غیر شعوری طور سے اُبھر آیا کرتی ہے۔ محسوس کرلیں گے تو میں سمجھ لونگا میری ادنیٰ کاوشیں اپنے مقصد میں کامراں رہیں۔۔۔!!

امداد انصاری

۲۴۔ اے۔ میرٹھ سٹی جنکشن
جنوری ۱۹۴۴ء

نقوش

ستی

آدھی رات گئے بھی ہیم پور کے چھوٹے سے قلعہ کے اندر دونوں محافظ پھاٹک پر مستعدی سے پہرہ دے رہے تھے۔ محل کے اندر سابق راجہ کی میت آخری رسوم کے ادا ہونے کے لئے رکھی تھی۔ شام ہی کو اس کا چھوٹا بھائی شہزادہ سلیم کے پڑاؤ سے بلایا گیا تھا۔ سلیم نے بادشاہ اکبر کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا تھا اور راجہ کا بھائی بھیم راج مل اس کا ممد و معاون تھا۔ اگرچہ اسے بہت دیر میں اطلاع ملی اور وہ وقت پر نہ پہنچ سکا تھی کہ اپنے بھائی سے آخیر وقت میں سر پر ہاتھ بھی نہ پھروا سکا تاہم اس نے اس قلیل عرصہ میں اپنے حسن انتظام اور فرض منصبی کے احساس سے اس قدر تندہی سے کام کیا اور ایسی فرمانبرداری کا اظہار کیا کہ تمام امور اور سارے ماحول کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس نے سخت احکام جاری کر دیئے کہ بلا میری اجازت کوئی بات نہ کی جائے اور اسوقت تک جبتک کہ مرحوم راجہ کی آخری رسومات ادا نہ ہو جائیں ایک متنفس بھی بلا پروانہ راہداری محل سے باہر نہ جانے پائے۔ آدھی رات کا گجر ابھی ابھی بج چکا تھا۔ آہستہ آہستہ کر کے محل کی تمام بتیاں گل کی جا چکی تھیں۔ ادھر ادھر کوئی کوئی شمع دھیمی سی جل رہی تھی اور سب لوگ خواب راحت کے مزے لے رہے تھے۔ محل کے گرد خاموشی اور سیاہی کا گہرا سیاہ پردہ لپٹا ہوا تھا۔ سوائے ان دو محافظوں کے جو اب بھی صدر پھاٹک پر

چاق چوبند کھڑے تھے وہاں زندگی کے آثار مردہ راجہ کی لاش کی طرح سرد تھے۔ صدر دروازے کی محراب میں پھاٹک پر صرف ایک قندیل چھت سے لٹکی ہوئی تھی جو مہیب تاریکی میں روشنی کا ایک گول خلا پیدا کرنے کی ناکام سی کوشش کر رہی تھی۔ اور سنتریوں کے سروں پر دھیمی روشنی ڈال رہی تھی۔

یکایک سنتریوں نے ایک تیز قدم اور سبک رفتار حرکت کا احساس کیا اور آن واحد میں اُن کے سامنے محل کے اندر کی طرف ایک نسائی جسم کھڑا تھا۔ اُنھوں نے حسب قاعدہ اُسے للکارا مگر وہ کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے آہستہ سے اُن کے قریب آگئی اور بلا کچھ کہے سنے باہر نکل جانا چاہا۔ سنتریوں نے اپنی سنگینیں جھکا دیں اور اس کا راستہ روک دیا۔

وہ تیزی سے اُن کی طرف مڑی اور کہا۔ ارے مجھے مت روکو میرے راستہ سے ہٹ جاؤ مجھے باہر جانے دو۔

"خاتون آپ نہیں جاسکتیں تاوقتیکہ آپ کے پاس پروانہ راہداری نہ ہو"۔ فیصلہ کُن جواب ملا۔

"پروانہ راہداری؟ میں کچھ راہداری واہداری نہیں جانتی۔ لیکن میں باہر جانا چاہتی ہوں۔ سُنا تم نے ایک طرف ہٹو"۔

کسی اندرونی اور جذباتی گھبراہٹ سے اس کی آواز کانپتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

"اس صورت میں ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے"۔ ہمارے لئے احکامات سخت ہیں"۔

"احکامات؟ کس کے احکامات؟ کیسے احکامات؟ اچھا! میں سمجھی:

وہ چند لمحوں کے لئے حیران سی کھڑی رہی۔

"لیکن۔ مگر" اُس نے ذرا حواس پکڑے۔ "میرا خیال ہے کہ میرے لئے کسی رلیلابائی کی ضرورت نہیں ——— یہ رانی لیلابائی کا حکم ہے۔ میں اُس کی خادمہ مالتی ہوں۔" اُس نے دھیرے سے اپنا نقاب اُٹھا دیا۔ "تم لوگ مجھے پہچانتے ہو۔ لو اب جانے دو مجھے۔" اور واقعی سنتری اُسے پہچانتے تھے۔ وہ ششں و پنج میں پڑ گئے کہ آیا رانی لیلا بائی کی خاص اپنی کنیز کو روکنا مناسب ہوگا؟ لیکن اس سوال کا حل خود مالتی نے انھیں بتا دیا۔ ان کی اس یقین و بے یقینی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ آہستہ سے آگے کھسک گئی اور قبل اسکے کہ وہ کچھ اور روکا تھامی کریں وہ قلعہ سے باہر اندھیرے میں سما گئی۔

"کیا ہمیں اس کا پیچھا کرنا چاہئے۔" یا خطرہ کی گھنٹی بجا دیں؟"

دونوں سنتریوں میں سے چھوٹے نے دریافت کیا۔"

"بہتر ہو کہ دونوں میں سے ایک بھی نہ کریں۔" دوسرے نے رائے دی جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اور جو کچھ اب کیا جائے گا۔ اس سے ہمارا بچاؤ نہیں ہو سکتا۔"

لیکن اتنے پہر گئے اس کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ کہتی ہے یہ رانی لیلابائی کے حکم سے ہے۔"

"خدا ہی جانے بہر حال کسی طرح بھی ہمارا کوئی دخل نہیں اس میں۔"

اسی عرصہ میں خادمہ مالتی جس پہاڑی پر محل بنا ہوا تھا اُس پر اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی بڑھتی چلی گئی اور جس طرح بھی ہو سکا آدھ گھنٹے کے اندر اندر

اپنے فرض کی اہمیت کو دیکھ کر اپنی جان اور اُن خطروں کی جو راہ میں آسکتے تھے پرواہ کیئے بغیر شہر کی بڑی سرائے میں پہونچ گئی۔

(۲)

جونہی وہ سرائے کے دروازہ میں داخل ہوئی اُس نے چار گھوڑے زین کسے ہوئے طیار کھڑے پائے۔ ہر ایک کو ایک ایک سائیس پکڑے کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر میں جن کے لیئے وہ گھوڑے تیار کیئے گئے تھے چاروں مسافر سرائے کے احاطہ میں باہر آگئے۔ مالتی نے نگاہ دوڑائی۔ اُن میں اس شخص کو دیکھنے لگی۔ جس کی اُسے تلاش تھی یکایک اس کی نظر اس پر پڑی اور اُس نے ایک اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اپنے دل میں کہا۔ اے خدا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے وہ ابھی گیا نہیں ہے"۔ وہ ان لوگوں کے پاس گئی اور ان میں سے ایک کے پاس جاکر چپکے سے اس کا کندھا چھوا۔ نوجوان اُس کی جسارت اور یکایک بے تکلفی سے اس حرکت پر چونک سا گیا۔ اُس نے دریافت کیا۔ "اجنبی خاتون آپ کون ہیں اور مجھ سے کیا کام ہے۔؟" "تم جانتے ہو اجیت سنگھ میں رانی لیلا بائی کی کنیز مالتی ہوں"۔ اس ایک جملہ نے جادو کا سا کام کیا اور نوجوان بھونچکا سا رہ گیا۔ قبل اس کے کہ وہ اپنے استعجاب سے نکلے اُس نے پھر کہا۔ "مجھے چند ضروری باتیں کہنی ہیں"۔ وہ اسے علیحدہ لے گئی اور اجیت سنگھ کے ساتھی اس عجیب منظر کو سمجھنے کی ناکام کوشش میں اُلجھ گئے۔

"یہ بات رانی لیلا بائی کے متعلق ہے"۔ اس نے کہا۔ "وہ لوگ اُسے زندہ جلا رہے ہیں"۔

"جلا رہے ہیں"! نوجوان نے گھبرا کر کہا۔

"ستی کر رہے ہیں"

"اچھا"

"ہاں اس کی مرضی کے خلاف"

"کیا اسے معلوم ہے؟"

"نہیں! اسے تو ابتک لاعلمی میں رکھا گیا ہے"

"لیکن اس کا تو شہنشاہ نے سختی سے تدارک کر دیا ہے"

"شہنشاہ کا حکم اب بھیم پور میں نہیں چلتا۔ بھیم راج مل شہزادہ سلیم سے شبرو شنکر ہے اور یہ حکم اسی نے دیا ہے۔ کل علی الصبح وہ اسے مُردہ راجہ کی لاش کے ساتھ جلا دیں گے۔ اُف، کاش" اجیت سنگھ کیا تم اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے؟ خدا کا بڑا کرم ہوا۔ جو تم یہاں آ گئے۔ ان دنوں کو یاد کرو جب تم اس سے محبت کرتے تھے"

"مالتی اس کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیلا دوسرے کی ہو گئی۔ لیکن اس میں کسی کا قصور نہ تھا۔ حتیٰ کہ خود لیلا کا بھی نہ تھا۔ بس لکھا ہی ایسا تھا۔ اگر اس کی خاطر مجھے جان بھی دینی پڑی تو تم جانتی ہو میں بلا پس و پیش اسے حاضر کرنے میں دریغ نہ کروں گا"

"میں جانتی ہوں اجیت سنگھ اور اسی لئے میں نے جاری کی اور تمہارے پاس بھاگی آئی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم دن میں یہاں آ گئے تھے لیکن ڈر تھا کہ کہیں تم چلے نہ جاؤ۔ لیکن قربان جائیے خدا کے تم ابتک یہاں ہو۔ اچھا اب وقت کٹھن ہے اور ضرورت ہے کہ کچھ نہ کچھ ہو ضرور

ورنہ کہیں دیر ہو گئی تو ـــــــــ"

اجیت سنگھ نے تھوڑی دیر غور کیا، اور کہا" اچھا مجھے اپنے ساتھیوں سے صلاح کر لینے دو ہم سب مل کر شاید اسے بچانے کی کوئی تدبیر نکال سکیں"۔ لیکن تمھیں یقین ہے کہ وہ قابل اعتماد آدمی ہیں وہ ہمیں دھوکہ دیکر نئے راجہ سے مل تو نہ جائیں گے؟"

"اس کا تم فکر نہ کرو وہ سب میرے پکے دوست ہیں"۔ وہ سیم اور اس کے خدمتگار بھیم راج مل کے سخت خلاف ہیں"۔ وہ اپنے تینوں ساتھیوں کے پاس گیا اور اُن سے صلاح کرنے لگا۔ وہ سب سلیم کے ساتھ کام کرنے والے فوجی افسر تھے۔ مگر اب اُنھوں نے سلیم کے بغاوت کرنے پر باغی جماعت کو چھوڑ دیا تھا اور جنوب کی طرف اکبر کی فوج سے ملنے جا رہے تھے۔

"دوستو مجھے تم سے کچھ کہنا ہے"۔ اجیت سنگھ نے کہا۔

اس کے سننے کے بعد تم چاہو تو آگے جا سکتے ہو۔ یہ بات ایک نوجوان اجیت سنگھ اور ایک راجپوت لڑکی لیلا بائی کے متعلق ہے۔ جب اجیت اور لیلا کا لڑکپن تھا وہ ایک دوسرے کو بے انتہا چاہتے تھے وہ دونوں ایک حسین مستقبل کے خواب دیکھ رہے تھے کہ آیندہ ازدواجی زندگی گذاریں گے۔ اچانک ایک تیسرا فریق اُن کے درمیان در آیا اور وہ بہت مالدار اور طاقتور تھا۔ کیونکہ وہ ایک بڑا راجہ تھا۔ اُس نے اپنی دولت سے لیلا کو اُس کے رشتہ داروں کے ہاتھوں خرید لیا۔ پھر اُدھیڑ کھوسٹ راجہ نے ساٹھ ۶۰ سال کی عمر میں لیلا سے بیاہ رچا لیا اور غریب اجیت سنگھ کو بیکس و لاچار چھوڑ کر اُسے اپنے محل میں لے گیا۔ اجیت سنگھ نے فوج میں ملازمت

کرلی اور جنگ کے نشہ میں ہر چیز بھول جانے کی کوشش کی اگرچہ وہ اس میں پوری طرح کبھی کامیاب نہ ہوا۔ چھ ماہ کی ناخوشگوار ازدواجی زندگی کے بعد بوڑھا راجہ مر گیا۔ اور اپنی نئی نویلی دلہن کو بیوہ کر گیا۔ بوڑھے راجہ کے بعد اس کا بھائی۔ ایک سیاہ دل حریف بھیم راج مل اس کی جگہ تخت نشین ہوا اور اس نے فیصلہ کیا ہے کہ لیلا بائی کو اس کی مرضی کے خلاف بوڑھے راجہ کی چتا کے ساتھ زندہ جلایا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ اجیت سنگھ کو کیا کرنا چاہیے۔

"بھائیو یہی وہ سوال ہے جس کے حل کرنے میں تمہیں میری مدد کرنا ہے"

وہ رک گیا اور خاموشی سے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا"

کمال بیگ جو ان سب میں معمر تھا بولا۔ اس کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے جو ہر غیرت مند کو دینا چاہیئے "اسے بچایا جائے" باقی دونوں نے بھی پرجوش طریقہ پر تائید کی" ہم ایک بے گناہ بیوہ کو بچائیں گے اور ساتھ ساتھ شہنشاہ اکبر کی بھی اطاعت گذاری کریں گے۔ وہ بیواؤں کو جلانے کے سخت خلاف ہے" کمال بیگ نے کہا "ٹھیک ہے! مگر کس طرح؟ ان میں سے ایک نے دریافت کیا۔

"اس کے لئے دماغ کی ضرورت ہے۔ لیکن یقین رکھو کہ ہمیں کوئی نہ کوئی راستہ ضرور مل جائے گا"

کچھ دیر غور کر کے کمال بیگ نے کہا۔ کیا خادمہ واپس محل میں جا کر رانی کو باہر نہیں نکال لا سکتی ہم صبح ہونے سے پہلے رانی کو بھیم پور کی حدود سے باہر لیجائیں گے۔

"لیکن پھاٹک پر پہرہ ہے" مالتی نے کہا۔ محل سے باہر جانے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ محافظوں کے لئے سخت حکم ہے کہ بلا پروانہ راہداری کوئی

باہر نہ جانے پائے اس بار بھی نہ معلوم کس طرح بلا حرف راہداری میں باہر نکل آئی وہ کچھ ہچکچائے ہی تھے کہ میں نے موقعہ کا فائدہ اُٹھایا اور کھسک آئی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ترکیب دو بارہ کارگر نہ ہوگی"۔

(۲۶)

آخر کار اُنھوں نے کافی بحث و تمحیص، کے بعد ایک ترکیب پر فیصلہ کر لیا جو سب سے عمدہ نظر آئی۔ اجیت سنگھ اور اُسکے تینوں ساتھی محل کے پھاٹک تک مالتی کے ساتھ جائیں۔ اور قلعہ کو محیط کئے ہوئے۔ جنگلوں میں گھوڑے چھپادیں، اب جو دوسرے محافظ بدلیں تو مالتی کو ان کے پاس بھیجا جائے۔ اسی دوران میں چاروں آدمی جنگل میں رینگتے ہوئے پاس ہی جالگیں۔ ظاہر ہے کہ سنتری مالتی کو روکیں گے، اور جب محافظوں کی توجہ اس طرح مالتی کی طرف ہوگی یقیناً کچھ نہ کچھ وقفہ لگے گا۔ چاروں آدمی اسی دم سنتریوں پر دھاوا بول دیں حملہ بالکل نیا تلا اور اچانک ہونا چاہیئے تاکہ سنتریوں کو مدافعت کرنے کا یا خطرہ کی گھنٹی بجانے کا بالکل وقت نہ ملے۔ اور جب یہ معاملہ ٹھیک ہو جائے تو مالتی کو اندر بھیجا جائے تاکہ وہ اپنی مالکہ کو باہر نکال لائے "خدا کرے ہم خوش نصیبی سے کامیاب ہو جائیں۔

کمال بیگ نے کہا" اگر ہم ناکام رہے ہے تو انجام دردناک ہوگا"۔

اجیت سنگھ نے سوچ کر کہا" ناکامی کا ذکر نہ کرو، اجیت سنگھ ہمیں اپنی منزل پر بھروسہ کرکے قدم اُٹھانا چاہیئے۔ ہم حق کیلئے لڑ رہے ہیں"۔ کمال بیگ نے کمال تیقن سے کہا۔

(۲۷)

آدمی رات گذر چکی تھی، محل کے دروازہ پر دونوں سنتری پہلے سے بھی زیادہ مستعد کھڑے تھے۔ محراب میں لٹکی ہوئی لالٹین اُن کے سروں اور کندھوں پر دھیمی روشنی کر رہی

تھی۔ ان کی برچھیاں اوپر کو نوک کئے تنی ہوئی تھیں اور ان کے غیر تناسب سائے بعد سے دکھائی دیتے تھے۔ اُن کی زنگ آلود تلواریں پہلوؤں میں لٹک رہی تھیں۔ گو وہ بالکل ساکت کھڑے تھے مگر ان کے کان اور آنکھیں شکاری سے بھی زیادہ تیز اور چست تھیں یکایک اُن میں سے ایک کی کرچ قندیل میں جا لگی۔ شیشہ کے ٹوٹ جانے سے قندیل گل ہوگیا اور دروازہ میں گھپ اندھیرا ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک تاریک سایہ اندر سے رینگتا ہوا ان کے قریب آگیا۔

"ناکارہ گدھے" تاریک سایہ غرّایا۔ سنتریوں نے آواز سے پہچان لیا کہ وہ نئے راجہ کے روبرو ہیں۔ "قندیل توڑنے سے تمہارا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔؟"

خطاوار غریب خاموش کھڑا کانپ رہا تھا۔

بھیم راج مل دوسرے سنتری سے مخاطب ہوا "تم جاؤ اور رانی لیلا بائی کے کمرہ کی نگرانی کرو۔ تمہیں کمرہ معلوم ہے؟ دیکھو دوسری منزل پر دائیں قطار میں تیسرا۔ جاؤ اور جب تک کہ تم کو بلایا نہ جائے وہاں کھڑے رہو۔ اور دیکھنا خیال رہے کہ تم پر رانی کی نظر نہ پڑے مگر یہ دھیان رکھنا کہ کسی حالت میں بھی اُسے باہر نکلنے کی اجازت نہ ملے۔ سمجھ گئے؟ اب جاؤ!"

اس شخص نے کورنش بجائی اور حسب الحکم اندر چلا گیا۔

"تم ایک لاپروا اور فضول سے اناڑی آدمی معلوم ہوتے ہو"

دوسرے سنتری کی طرف توجہ کرتے ہوئے راجہ نے پھر کہا۔ قلعہ کے پھاٹک پر تنہا پہرہ دینے کا اعتماد تم پر نہیں کیا جا سکتا"

وہ محافظوں کے شاگرد میں گیا اور ایک نیا محافظ ساتھ لایا۔

"اب تم دونوں دھیان سے سنو جو کچھ میں کہتا ہوں۔ رانی لیلا بائی کی خادمہ مالتی بنا اجازت باہر چلی گئی ہے۔ اب اُسے اندر نہ آنے دینا۔ واپسی پر مجھے اطلاع دینا اُس کے لیے گہری نگرانی رکھو خبردار چوک مت جانا۔ اِن زہریلی ہدایتوں کے بعد راجہ محل میں واپس چلا گیا۔ نوجوان سپاہی جس کو رانی کی نگرانی کے لئے بھیجا گیا تھا بلا کسی وقت کے وہاں پہونچ گیا وہ دروازہ پر ایک لمبے انتظار کی اُمید میں جم کر کھڑا ہو گیا دروازہ کے کواڑ بند تھے۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کچھ بے چینی سی محسوس کی اس کے دل میں ایک پریشان کن خواہش پیدا ہوئی کہ کمرہ میں دیکھا جائے رانی کیا کر رہی ہے۔ شاید وہ رانی کے حسن وجوانی کے قصیدے سن چکا تھا اور اس سے اپنی آنکھیں سینکنا چاہتا تھا اُس نے آہستہ سے کواڑوں پر زور دیا اُنگلی کے ہلکے سے دباؤ سے کواڑوں نے جگہ چھوڑ دی کیونکہ اندر سے چٹخنی لگی ہوئی نہ تھی۔ اُسی باریک دراز سے اُس نے جھانکا۔ اندر دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ ایک اونچے زرنار چھپر کھٹ پر رانی محو خواب تھی۔ ا[illegible]ری پردے ایک طرف جھٹکے ہوئے تھے۔ اور اودی روشنی میں وہ حسن خوابیدہ کو [illegible] تھی دیکھ سکتا تھا۔ اس کے چمکدار سیاہ بال عجب حسن اور پریشانی کے عالم میں تکیہ پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ایک طرف کروٹ لئے لیٹی تھی اور ایک شب خوابی کا ڈھیلا لباس پہنے ہوئے تھی جس سے اُس کے نازک جسم کے تمام حصوں کی حسین نمایش ہو رہی تھی۔ اس کا نپا تُلا سینہ کا ابھار کبھی کبھی ایک لمبی سرد آہ سے ٹوٹ جاتا تھا۔ اس وقت ہونٹوں سے اُس کے سینہ سے نکل جاتی تھی۔ اس حسین خواب ناز کے منظر سے کمرہ ایک دلکش و دلنواز تصویر معلوم ہو رہا تھا۔

جب وہ رانی کے نظر بھر جانے لے رہا تھا اس نے دیکھا کہ کمرہ کے دوسرے

کونہ میں ایک اور دروازہ بھی ہے یکایک وہ دروازہ کھلا اور ایک سایہ اس میں سے داخل ہوا وہ شخص سوائے راجہ بھیم راج مل کے دوسرا کوئی نہ تھا اس کے پیچھے پیچھے ایک خادمہ داخل ہوئی جس کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی۔ بھیم راج رانی کے پلنگ کے پاس جاکر کھڑا ہو گیا اور اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ جو اس وقت پوری طرح اُس کے قبضہ میں تھی۔ ابھی ابھی اُس نے باہر کے دروازہ کی طرف دیکھا جہاں محافظ کو کھڑا کیا تھا۔ محافظ دروازہ سے ہٹ کر ایک طرف ہو گیا تاکہ اس پر نظر نہ پڑنے پائے۔ ایک لمحہ بعد ایک سر اُسی دروازہ میں سے باہر کی جانب نکلا محافظ بڑی مشکل سے پہچانا کہ وہ نیا راجہ ہی تھا۔ راجہ نے اپنا اطمینان کرنے کہ سنتری کو جس جگہ کھڑا کیا تھا وہ وہاں مستعد ہے اپنا سر اندر کرنا چاہا مگر تھوڑی دیر بعد وہ وہیں ٹھہر گیا اور محافظ کو اشارہ سے بلایا۔ راجہ نے زور دار کھسر پھسر کے انداز میں کہا "دیکھو بھائی تیار رہنا تھوڑی ہی دیر میں میں تم کو اندر بلاؤں گا۔ اور جب میں ہاں حاضر! کہوں تم فوراً اندر آجانا اور جو کام تم سے کہا جائے اُسے انجام دینا" یہ کہکر راجہ نے اپنا سر اندر کر لیا اور دروازہ بند کر لیا لیکن اتفاق سے پھر دروازہ پوری طرح بند نہ ہوا اور ایک دراز باقی رہ گئی جس میں سے نوجوان آدمی پھر اندر جھانکنا شروع کر دیا وہ چاہتا تھا کہ جو کچھ کمرہ کے اندر ہو رہا ہے سب ہی تو دیکھ لے راجہ نے خادمہ کو حکم دیا کہ شیشی میز پر رکھدے اور پھر اُسی کے کہنے سے شیشی رکھنے کے بعد خادمہ نے رانی کو ہلکے سے ہلایا اُس نے چونک کر آنکھیں کھولدیں۔ وہ اپنے پلنگ پر بیٹھی ہوئی اونگھنے لگی اور اسی حالت میں دونوں اندر آنے والوں پر اس کی نظر پڑی۔ اپنے سونے کے کمرہ میں رات کے وقت وہ نئے راجہ کو دیکھ کر تعجب میں رہ گئی ا . . . کچھ کہنے کی کوشش کی مگر بھیم راج مل اُس سے پہلے ہی بول پڑا "رانی میں آپ

علالت کا حال سنکر یہاں آیا ہوں اور ایک دوا آپ کے لیئے لایا ہوں" خادمہ نے شیشی اس کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ رانی نے کنیز کی طرف دیکھا جو ہاتھ میں دارو کی شیشی لیئے کھڑی تھی اور اس کے پیچھے راجہ کھڑا تھا۔ یہ تمام اہتمام اور کارروائی اُسے سخت مخدوش نظر آئی۔

(۵)

"مجھے عالیجاہ کی ہمدردی کا دلی اعتراف ہے" اُس نے کہا۔

"لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ فی الحال کسی دوائی کی ضرورت نہیں"

"مریض تو کسی صورت میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ آیا اُسے دوا کی ضرورت ہے یا نہیں۔ بہتر ہے اب اسے پی لو یہ تمھیں آرام دے گی"

"میں تم سے کہتی ہوں کہ مجھے کسی دوا کی ضرورت نہیں۔ میں تو محض یہ چاہتی ہوں کہ مجھے تنہا رہنے دیا جائے میں چند گھنٹے آرام کرنا اور سونا چاہتی ہوں"

"نہیں رانی ضد اچھی نہیں ہوتی یہ تو تمھاری بھلائی کے لیئے ہے اسے پینے کے بعد مرنے کی نیند سو جاؤ گی"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں اسے واپس لے جایئے براہِ مہربانی مجھے تنہا چھوڑ دیجیے"

"ہم اُسی لمحہ تمھارے پاس سے چلے جائیں گے جب تم دوا پی لو گی"

"ہرگز نہیں۔ اب آپ کمرہ سے باہر چلے جائیں" اب رانی قطعی ہوشیار ہو چکی تھی بھیم راج مل خاموش کھڑا ہوا اُسے تیکھے تیکھے تیوروں سے گھور گھور کر دیکھ رہا پھر خادمہ کو حکم دیا کہ شیشی میز پر رکھکر باہر چلی جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ خود بھی اس دردناک منظر

سے اپنی آنکھوں کو دوچار کرنا پسند نہ کرتی تھی۔

اب نوجوان رانی اور راجہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایک مجسم خوف و کپکپاہٹ، دوسرا دانت چبائے ہوئے اور پختہ وخطرناک ارادہ کئے ہوئے۔ اس کی شکل ڈراؤنی اور گریہہ دکھائی دیتی تھی۔

"میری بات سنو رانی لیلا بائی!" آخر کار اُس نے طویل خاموشی کے بعد فیصلہ کن انداز میں کہا۔ یہ دوا تمکو پینی پڑے گی تمہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا۔ یہ محض تمہارے اپنے خاوند کے لئے ہے۔ یہ ایک خواب آور دوا ہے جو تمہاری تمام جسمانی و دماغی تکالیف دور کر دے گی۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اسے پی لو یہ تو تمہیں کچھ فائدہ ہی دے گی!"

تم کہتے ہو خواب آور دوا۔؟" آہ! ایسی خواب آور دوا جس سے شاید ابدی نیند آجائے!"

"نہیں صرف نیند کی دوا ہے۔ کیا تم شک کرتی ہو؟ کیا زہر؟"

"شاید ایسا ہی ہو کسے خبر ہے؟"

"کیا تم سچ ہی سننا چاہتی ہو۔ اچھا بات یہ ہے کہ تمہارے مردہ خاوند کی لاش ہماری مقدس روایات کے مطابق آخری رسوم کے انتظار میں رکھی ہے۔ بیوہ بیوی کو خاوند کی چتا میں جلنا پڑتا ہے تمہیں اس کے لئے اپنے تئیں صبح تک تیار ہو جانا چاہیئے!"

راجہ کے ان الفاظ کا صحیح مطلب سمجھنے سے رانی کو چکر سا آگیا اُس کے دل پر اس بدخبری سے سخت دھکا لگا۔ اُسے صبح کو زندہ جلا دیا جائے گا!

زندگی چھ گھنٹے سے بھی کم باقی تھی! اُف! یہ جانکاہ تصوّر اُسے گھلائے ڈالتا تھا۔ اُسے کسی قسم کا خوف نہ ہوتا اگر واقعی اُسے مردہ راجہ سے محبت ہوتی یا جب حقیقتاً اس میں زندگی ہوتی اور جب وہ کسی سے دل ہار چکی ہوتی۔ کاش وہ صرف اجنبی ہی ہوتا تو وہ خوشی سے اس کی چتا کے شعلوں سے ہم آغوش ہو جاتی لیکن جب محبت درمیان ہی نہ تھی تو قربانی بھی ایک ڈھونگ بلکہ گناہ اور جرم تھی۔

"نہیں۔ نہیں ہرگز نہیں" اس نے زچ آکر کہا۔

"تم مجھے زبردستی جلا دو گے مگر میری رضامندی سے کبھی ایسا نہ ہوگا۔ میں شہنشاہ سے فریاد کروں گی۔ اکبر اعظم کے دربار میں۔ اس نے اس کی سخت ممانعت کر دی ہے!"

اکبر اعظم!" راجہ نے حقارت سے دُہرایا "اکبر اعظم یہاں سے بہت دُور ہے اور اب وہ زیادہ عرصہ تک اکبر اعظم نہ رہے گا۔ بہرکیف ہم پوراب اس کے احکام کو کوئی خاص وقعت نہیں دیتا۔ اس لئے نوجوان عورت اب تمہاری بغاوت فضول ہے اپنی قسمت کے فیصلے کے آگے سرنگوں ہو جانا ہی بہتر ہے اس دوا کو پی لو اور صبح تم آگ کے شعلوں کو محسوس نہ کرو گی۔ یہ تمہارے گذشتہ موجودہ اور آنے والے غموں کو بھلا دے گی۔ نہیں۔ نہیں۔ نہیں! مجھے زندہ جلا دے ظالم مگر تو یہ کہنے کے قابل ہرگز نہ ہو گا کہ میں نے اپنی مرضی سے جان دی ہے۔ جس وقت مجھے منحوس شعلے جلاتے ہوں گے اس وقت بھی میں اعلان کروں گی کہ مجھے میری مرضی کے خلاف جلایا جا رہا ہے۔ میں اپنے آخیر سانس تک پکاروں گی کہ تو ایک قاتل ہے۔ اپنے بھائی کی بیوی کا قاتل۔ جا میرے سامنے سے دُور ہو کمبخت!"

"مجھے خوف ہے کہ کہیں دوسرے ذرائع سے کام نہ لینا پڑے تاکہ تم کو یہ بات قبول کرائی جائے۔ چونکہ تم آسانی سے بات نہیں مانتی ہو اس لئے طاقت کا استعمال کیا جائیگا۔ میں نے دروازہ کے باہر ایک محافظ کھڑا کر رکھا ہے وہ اور میں ملکر آسانی سے تم پر قابو پالیں گے اور زبردستی تمہارے منہ میں دوا ڈالدیں گے۔ تم جانتی ہو یہ کام میں کتنی سہولت سے کر سکتا ہوں اس لئے بتاؤ کہ تم راضی سے لیے ہیوگی یا نہیں؟"

"کمینے قاتل ظالم۔"

راجہ نے فرش پر پیر مارا اور چلّایا" ہاں حاضر"

باہر کھڑا ہوا نوجوان سنتری جو اندر کی اس تمام کارروائی کو دیکھ رہا تھا اسی لمحہ کے انتظار میں تھا اُسے دوسری آواز دیئے جانے کی ضرورت نہ ہوئی۔ وہ فوراً کمرہ میں دوڑ پڑا۔

(۶)

باہر پھاٹک پر سنتری اس وقت پہلے سے بھی زیادہ مستعد کھڑے تھے۔ محل کے اندر سے تین شخص دیوار کے سائے میں ظاہر ہوئے اور رینگ کر سنتریوں کے قریب آ گئے۔ وہ تو پہلے ہی اُن کے انتظار میں تھے اس لئے انہوں نے آنیوالوں کو نہ للکارا نہ کچھ باز پرس کی نہایت سبک رفتاری اور خاموشی سے وہ باہر کھسک لئے اور سنتری بھی اُن کے ساتھ ہو لئے۔ وہ لوگ سیدھے جنگل میں گئے اور تاریکی میں غائب ہو گئے۔ جونہی وہ بڑھے قریب کی جھاڑی سے ایک شخص اُچھلا اُس کے قریب ہی تین آدمی مشکیں کسے ہوئے اور منہ میں کپڑا ٹھنسے ہوئے

پڑے تھے۔ اب پوری چھ آدمیوں کی جماعت کانا پھوسی کرتی ہوئی بڑھنے لگی۔" ہم انھیں یہاں بڑی حفاظت سے چھوڑ سکتے ہیں۔ ایک نے کہا" جب تک انھیں تلاش نہ کرلیا جائے وہ کچھ نقصان نہ پہونچا سکیں گے۔ وہ یہاں اس وقت تک نہ آسکیں گے جب تک دوسرے سنتریوں کی جوڑی نہیں بدلتی اور اس میں ابھی دو گھنٹے لگیں گے۔ تب تک تو ہم بھیم پور کی حدود سے باہر بھی ہولیں گے"

وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے اور آگے چلے گئے اور وہاں پہنچے جہاں اُن کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ جب وہ گھوڑے کھول رہے تھے اُن میں سے ایک نے کہا" کیا یہ بات مزے کی نہ تھی کہ بھیم راج مل نے خود اجیت سنگھ کو رانی بیلا بائی کے کمرے کی حفاظت کے لئے پسند کیا؟"

"کمال بیگ تمہارا خیال صحیح ہے" اجیت سنگھ نے اُس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا" اس طرح مجھے اس غریب کے عین سر پر پہونچ جانے کا موقع مل گیا جبکہ حالات قطعی غیر متوقع پلٹا کھانے والے تھے میں نے اُسے اچھی طرح کسا ہوا اور منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا غسلخانہ میں احتیاط سے چھوڑا ہے۔ بس کچھ موقع ہی اس قدر عمدہ مل گیا۔ بھیم راج مل محض پانچ منٹ دیر سے آیا جو اس سے ایسی چوک ہوگئی اگر وہ اپنی احتیاطی تدابیر ہمارے دونوں محافظوں پر قابو حاصل کرکے اُن کو اپنے راستہ سے ہٹانے سے ذرا قبل عمل میں لے آتا تو ہمارا تو بنا بنایا کھیل بگڑ چکا تھا۔ بالکل اسی طرح بلکہ اُس سے بھی زیادہ اتفاقیہ جتنا کہ خادمہ مالتی کے کھسک آنے میں پیش آیا تھا۔ وہ بالکل بھیم راج مل سے جاہی ملی تھی جب وہ باہر نکل تھا اس نے بڑی مشکل اور ہوشیاری سے اپنے آپ کو عین موقعہ

پر ایک بڑے سے مرمریں مجسمہ کے پیچھے چھپا لیا۔ جب ہم باہر نکلے ہیں تب کہیں غریب ہمارے ساتھ آ کر ملی ہے۔ اور یار کمال بیگ اُس کے آتے آتے تمہارا اس صفائی سے قندیل توڑنا واقعی کمال تھا۔"

اوہ۔ وہ! وہ تو کچھ نہیں۔ میں ایک لاپروا آدمی ہوں تم جانتے ہو ایک فضول سا اناڑی شخص۔!" ہیم پور کے نئے راجہ نے یہی تو فرمایا تھا۔"

سب ساتھی خوش گپیاں کرتے جا رہے تھے۔ اب گھوڑوں کی سواری کا نمبر تھا گھوڑے تیار تھے۔ چھ آدمیوں کے لئے صرف چار گھوڑے تھے۔ کمال بیگ نے خادمہ مالتی کو اپنے ساتھ پشت پر بیٹھنے کے لئے اپنے گھوڑے کی خدمات پیش کیں۔

اُس نے کہا: "اب یہ تو میرے عرض کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ نوجوان رانی کو کون اپنے ساتھ بٹھائے گا۔" اور ——— جب اجیت سنگھ نے لیلا بائی کو سہارا دیکر اپنے گھوڑے پر بٹھایا دونوں کے دل پچھلے ناخوشگوار واقعات و حالات کی یاد سے مغموم ہو گئے۔ اجیت سنگھ کے لئے وہ لڑکی جو اس کے ساتھ سوار ہو رہی تھی زیادہ عرصہ کے لئے ہیم پور کی رانی نہ تھی بلکہ وہی اس کی پہلی اور آخری محبوبہ لیلا تھی۔

"اجیت" اُس نے ایک آہ سرد کھینچکر کہا۔

"اب میں ایک بیوہ ہوں۔"

"میرے لئے نہیں میری لیلا"!

آسمان سے ستارے پھول برسانے لگے۔

پنولین اعظم کا رومان

یہ رومانی کہانی تاریخ کے صفحات پر مارگریٹ بلنگر کی زبانی درج ہے۔ مارگریٹ کی ابتدائی زندگی تاریکی اور گمنامی میں گزری۔ وہ ایک ادنیٰ خاندان میں پیدا ہوئی۔ اس کا ماحول حد درجہ غلیظ اور گھناؤنا تھا۔ بچپن ہی میں اس کے والدین راہیٔ عدم ہو گئے۔ لہٰذا اس کی زندگی پہلے سے بھی زیادہ اندوہناک ہو گئی۔ اُسے اپنا پیٹ پالنے کے لئے انتہائی تگ و دو سے کام لینا پڑا۔ دس برس کی عمر میں مارگریٹ نے ایک سرکس میں ملازمت اختیار کر لی۔ ایک دن اُس نے اپنے ایک دوست سے کہا: "کیا مارگریٹ سرکس کے تاروں پر ناچ ناچ کر ہی اپنی زندگی گزار دے گی؟"

"لیکن تم اپنے شغلِ رقاصی کی امداد سے ترقی کی انتہائی منزل پر پہنچ سکتی ہو"

اس کے دوست نے جواب دیا "نہیں مارگریٹ سرکس کے تاروں پر نہیں۔ تھیٹر کے اسٹیج پر"

مارگریٹ نے اپنے موتیوں کو شرمانے والے دانتوں کی ایک تبسم ریز جھلک سے مانتشیر کالیک کے خرمنِ محبت پر برقِ خاطف گرا دی ——— !

لیڈوک ہوپ مشہور معروف اسٹیج اداکار نے مارگریٹ کے چہرے سے بھانپ لیا کہ وہ فن رقص میں مہارت حاصل کر سکتی ہے۔ لہٰذا اس نے مارگریٹ کو مناسب حال جگہ دیدی۔ ریڈ بیلا ٹورنٹو کا مشہور تھیٹر ہال ایک مہینہ پہلے ہی ریزرو ہو گیا اور جس تاریخ کو اُسے ناچنا تھا۔ ہال فرش سے لیکر چھت تک کھچا کھچ بھر گیا۔ لیکن اسٹیج پر مارگریٹ کا تھرکنا ایک اناڑی اور جنگلی پرندے کی پھڑپھڑاہٹ سے زیادہ نہ تھا۔ لوگوں نے جو ماہرانہ اداکاری دیکھنے کے عادی تھے۔ جماہیاں لینا شروع کر دیں اور نتیجہ خوشگوار نہ نکلا۔ مارگریٹ پر آوازے کسے گئے اور پھبتیاں اڑائی گئیں۔ لیکن وہ اپنی شرمندگی کو چھپانے کے لئے "کمرہ سبز" میں جانے کی بجائے اسٹیج کے سرے پر آگئی اور ہاتھ بھینچکر غصہ میں آنکھوں سے چنگاریاں اڑاتے ہوئے بولی:- "میں تھیمس ٹیمز کے مقدس پانی کا ایک شکاری سمجھتی تھی اور ایک ایسی کشتی کا ناخدا جو ٹیمز میں شکار کے لئے ڈالی گئی ہو۔"

تھیٹر سے جو فرینک نوٹ اُسے ملے تھے اُنکیں پھاڑ کر وہ ہال کمرے سے باہر نکل گئی ——— مارگریٹ اسٹیج پر پہلی اور آخری مرتبہ نمودار ہوئی تھی۔

تھیٹر اور سرکس کے دوسرے اداکاروں کی طرح مارگریٹ کو سونے کی چمک، ایک امیر آدمی کی سرپرستی، اور کسی شاہراہ کے کنارے ایک عالیشان "فلیٹ" میں جواہرات کی تابانی سے دلچسپی نہ تھی۔ ایک روز اُس نے خواب میں دیکھا ———

"وہ شاہی عظمت کی علمبردار ہے۔ اس کے زرنگار قدموں پر شاہی تاج سرنگوں ہے اور رعایا عزت لوگ اُس کی محبت کے لئے اپنے دل پیش کر رہے ہیں۔"

ہزاروں مرتبہ اس نے سپاہیوں سے معلوم کیا کہ نپولین کو خوبصورت عورتوں سے بڑا لگاؤ ہے. لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی،" اور اسی وقت سے مارگریٹ کے دل میں نپولین کی محبوبہ بننے کا شوق پیدا ہوا۔

"اگر ایک مرتبہ مجھے موقع مل جائے تو میں اُسے اپنے قدموں پر جھکنے پر مجبور کر دوں لیکن پہلی ملاقات کس طرح ہو؟"

آخر کس طرح؟ ——— بغیر مال و دولت" بے یارومددگار" بلا اثرورسوخ اُسے اپنی خواہش محض دیوانگی معلوم ہوئی۔

لیکن وہ اُن لوگوں میں سے نہ تھی جو ایک معمولی سی ناکامی پر اپنے دلی ارادوں سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ وہ اس مہم کو آسانی سے چھوڑنے والی نہ تھی۔ اور آخر اُسے فتح نصیب ہوئی۔ حالات سازگار ہوئے۔ اور تقدیر نے اس کا ساتھ دیا۔

خوبصورت، چست لباس نیلے جوتوں اور دبیز اودی لمبے کناروں کا ہیٹ پہنے ایک شام، سینٹ کلاوڈ کے پارک میں مارگریٹ تفریحاً ٹہل رہی تھی۔ پارک کی معطر فضا میں سانس لیتے لیتے اچانک بادل کی گرج نے مارگریٹ کے آرام و سکون کو درہم برہم کر دیا۔ یکایک ترچھی دھاروں میں موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ مارگریٹ کے پاس نہ تو دستی چھتری تھی نہ کوئی شال وہ اپنے کپڑوں کو سکیڑ کر ایک درخت کے نیچے کھڑی ہو کر بارش کو کوسنے لگی۔ بارش سے بھیگ کر اس کا فراک اُس کے بدن سے چمٹ گیا اور جسم کے تمام نقوش نمایاں ہو گئے۔ اُس کے ہیٹ کی شکل بھیگ کر مضحکہ خیز ہو گئی۔ اُس کا ہڈ اور نقاب ہوا میں لہرا کر اُس کے لئے تکلیف کا سامنا فراہم کرنے لگا۔ مارگریٹ کانوں پر ہاتھ رکھے، آنکھیں پھاڑے ہوئے اپنی کس مپرسی کی حالت کو کوستی

اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی ـــــ یکا یک ایک شاہانہ انداز سے آراستہ فٹن جس میں دو مرمریت برقی رفتار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ اُس کے سامنے سے سڑک کے موڑ پر گھومی ـــــ دوسری نظر میں جب اُس نے کوچوان کے تمغوں کو دیکھا۔ تو مارگریٹ کی نبض تیز ہو گئی۔ اُف ـــــ اُس کے خوابوں کی تعبیر، شہنشاہ نپولین! ـــــ مارگریٹ اپنی خوبصورتی کو شرم کے پردہ میں چھپا کر رکھنے والی عورت تو تھی نہیں۔ بہرحال اُس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے گاڑی کا رستہ کاٹا اور ایک ایسے زاویہ سے خود کو ظاہر کیا ـــــ کہ فٹن نادانستہ طور پر رک گئی ـــــ مارگریٹ نے اپنی درد سے بھری ہوئی ساغرنما آنکھوں سے ایک لطیف و نشیریں شکست کا مظاہرہ کر دیا ـــــ شہنشاہ اس کی آنکھوں میں درد و کرب کی تصویر دیکھ کر تڑپ اُٹھا۔ اپنی ٹانگوں سے قیمتی کمبل اُٹھا کر اُس پر ڈال دیا اور ایک بوسہ لیکر کوچوان کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ دور افق میں حل ہوتی ہوئی فٹن کو مارگریٹ کھڑی دیر تک اچنبھے کی حالت میں تکتی رہی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ پر کمبل کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا وہ یقین سے نہ کہہ سکتی تھی کہ اُسے رنج تھا یا مسرت ـــــ محض ایک کمبل؟ حالانکہ اس کی دلی خواہش تھی کہ ـــــ ؟ مارگریٹ کو اتنی آسانی سے ایک کمبل کے ذریعہ سے نہ بہلایا جا سکتا تھا۔

دوسری شام ایک باوردی پیغامبر شہنشاہ کے روبرو کھڑا تھا۔ "ایک نوجوان خاتون شہنشاہ سے بذاتِ خود ملنے پر مصر ہے" اس نے اعلان کیا "کہتی ہے خود حضور کے ہاتھوں میں کوئی چیز دوں گی"، شہنشاہ نپولین نے اپنی لکھنے کی میز

سے سر اٹھایا۔

"شہنشاہ ہر اُس چیز کو جو ایک نوجوان عورت اُسے اپنے ہاتھ سے دینا چاہے لینے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے ——— اُسے آنے دو۔"

کمبل کو اپنے لبادہ میں چھپائے مارگریٹ کمرے میں سمٹ کر داخل ہوئی ——— !!

معمولی کمبل کو واپس کرنے یا لینے کے لئے چند منٹ سے زیادہ وقت درکار نہیں۔ لیکن مارگریٹ اور شہنشاہ نے پورے چھ گھنٹے لئے ——— !

پنولین نے گھنٹی بجائی۔ تھوڑا سا دروازہ کھلا اور اردلی سر جھکائے حاضر ہوا۔!

"محل کا ایک حصہ مادام ادسلی کے لئے مخصوص ہونا چاہئے سمجھے؟ ——— آج سے وہ شاہی حرم میں داخل ہوگی۔"

"بہتر ہے جہاں پناہ۔" اردلی کہکر رخصت ہوگیا۔

اس طرح مارگریٹ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی۔ کم سے کم اپنی دانست میں ضرور ——— وہ اپنے وقت کی خوش قسمت ترین عورت تھی، عزت، دولت، گاڑی اور گھوڑے، ملازم اور بادشاہِ وقت سب اُس کے قدموں میں تھے ——— ! اس سے زیادہ ایک عورت کو کس چیز کی ضرورت ہوسکتی ہے؟ بہرکیف اُسے بہترین زندگی حاصل ہوچکی تھی۔ لیکن کیا اُسے قلبی طمانیت بھی میسر آگئی تھی؟ نہیں ابھی وہ مطمئن نہ تھی ——— وہ ایک اور اطمینان کی تلاش میں تھی ——— خوشی اور شادمانی کی عمیق ترین گہرائیوں میں پہنچکر اُسے منکسر المزاج شہزادی ایوجن سے نجات کا اطمینان مطلوب تھا۔ لیکن اس کی کم ظرفی نے اسے پھر نیچا دکھایا۔

شہزادی ایوجن جو اپنی بلندی اور نسلی شرافت پر نظر رکھتی تھی خود کو اندھی اور

ٹھہری بنائے ہوئے تھی۔ اُسے سرکس کی چھوکری سے ہمدردی تھی۔ کیونکہ اُس نے شہنشاہ کے غیظ و غضب کو کبھی بھڑکانے کی کوشش نہ کی ——— اور ——— اگرچہ چھ ماہ بعد شہزادی کے دل میں مارگریٹ کی جانب سے ایک نفرت انگیز رقابت پیدا ہوگئی تو یہ مارگریٹ کا اپنا قصور تھا ——— !

ایک شام جب شہزادی کوچ میں جا رہی تھی۔ مارگریٹ نے زعمِ خودی میں آکر اپنے برف جیسے سفید گھوڑے کے چابک مارا اور شاہی گاڑی کے آگے سے ہو کر نکل گئی۔ فٹن کے گھوڑے رُکے۔ باتیں کرتے کرتے شہزادی ایوجن کی آواز اچانک رک گئی اور دوسرے لمحہ ہی جب اُس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تو مارگریٹ بغیر معذرت کئے اپنا گھوڑا اُڑائے لئے جا رہی تھی۔

مٹھیاں بھینچے اور کمر پر ہاتھ رکھے نپولین شہزادی ایوجن کے شب خوابی کے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

شہزادی اپنے بیکس خاوند کی طرف ٹکٹکی باندھے پلنگ پر لیٹی لیٹی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"لیکن میری پیاری! بادشاہ نے بحث کرتے ہوئے کہا" اگر ایک معمولی عورت تمہارے متعلق کچھ کہتی یا خیال کرتی ہے تو ہوا کیا۔ بہر حال........"

"کیا تم اپنی ملکہ کا مذاق اڑانا پسند کرتے ہو۔ پھر سرکس کی ایک ذلیل چھوکری سے جو آج سے چند ماہ قبل گندی گلیوں میں پھرا کرتی تھی۔ اور........؟"

"لیکن میری پیاری........"

"اس گھناؤنی کتیا کو یہاں سے نکلنا ہوگا۔ اور آج ہی رات کو" آنکھوں

سے بچھے کے شرارے اڑاتے ہوئے ایوجن نے کہا۔

اور اس رات مارگریٹ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اسے محل سے اس بیدردی کے ساتھ نکال دیا جائے گا۔ نپولین نے مدّت سے اس کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ کبھی وہ قدآدم آئینہ میں اپنا حسین چہرہ دیکھتی اور کبھی زرنگار چھپر پر نگاہ ڈالتی۔ آخر مایوس ہو کر وہ پلنگ پر سونے کی تیاریاں کر رہی تھی کہ اچانک ایک دربان اندر داخل ہوا۔

"خیریت تو ہے؟" مارگریٹ نے پوچھا۔

"قطعی نہیں بیگم صاحبہ یہ بادشاہ کا حکم ہے کہ آپ اس محل کو اسی لمحہ چھوڑ کر پیرس سے آج ہی رات چلی جائیں۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپ کو پنشن باقاعدہ ملے گی۔ اب بادشاہ سے ملاقات کی خواہش بے سُود ہے" مارگریٹ کی نظروں میں دُنیا تاریک نظر آنے لگی۔ اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُس کا غم الفاظ اور احساسات کی حدود سے وسیع تھا۔ ایک آہ منہ سے نکالے بغیر اور ایک آنسو کا قطرہ آنکھوں سے بہائے بغیر اس نے اسی وقت امارتِ شاہانہ کو خیرباد کہہ دیا ———

باہر نکل کر اُسے یوں محسوس ہوا جیسے ایک پتھر اس کے گھٹنوں پر لگا ہے اور وہ چکرا کر بیٹھ گئی۔

شاہی محل سے نکلنے کے بعد اگرچہ تاریخی حالات اس امر پر کہ مارگریٹ نے اپنی زندگی کے بقیہ ایام کس طرح گزارے بہت کم روشنی ڈالتے ہیں تاہم بعد ازاں اس کے متعلق سنا گیا کہ وہ ٹورن میں اپنے دیرینہ عاشق مانشیر کالیک کے ہمراہ دیر تک مسرّت اور شادمانی کی آغوش میں زندگی بسر کرتی رہی۔

میواڑ کی شہزادی

میواڑ کے رانا پرتاپ سنگھ کی چھوٹی لڑکی پدما دیوی اپنے زمانہ کی حسین ترین رانی سمجھی جاتی تھی یہ کہانی اس کی زندگی سے متعلق ہے۔

(۱)

رانا نے نوجوان کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ اور اس قدآور جسم، چوڑے چکلے سینے اور کشادہ پیشانی سے متاثر ہوا۔ اس نے راجپوت سردار سے پوچھا "تم راجہ مل کی سوار فوج میں تھے۔ کتنے دن تک تم نے ملازمت کی؟"

"قریب قریب دو سال"۔ نوجوان نے جواب دیا۔

"ایک خاص ملازمت کے لئے مجھ سے تمہاری سفارش کی گئی ہے تمھیں ایک معزز خاتون کو لے جانا پڑے گا۔ بلکہ یہ سمجھو میرے خاندان کی ایک شہزادی کو گولکنڈہ لے جانا پڑے گا۔ وہاں میرے بھائی ہیں چھ گھوڑ سوار تمہارے ساتھ ہوں گے۔ بات یہ ہے کہ اس سے زیادہ آج کل ہم دے بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ مغل فوجیں ہم پر بری طرح دباؤ ڈال رہی ہیں۔ اس سفر میں شہزادی کو سلامتی اور عافیت سے منزل مقصود پر پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ شہزادی کو وہاں خیریت سے

پہنچا دینا میرے لئے انتہائی مسرت کا باعث ہوگا۔ فاصلہ تو صرف ۴۰ کوس ہے لیکن ذرا ہے سخت۔ آج تیسرے پہر تم کو روانہ ہونا ہے۔ اور آدھی رات تک وہاں پہنچ جانا چاہئیے۔ اُمید ہے کہ اس مہم پر تم اپنے آپ کو ایک مکمل راجپوت ثابت کروگے۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ موقع آنے پر تم کو اس کا مناسب بدل بھی دیا جائے گا۔ فی الحال میں مغل دربار کی طرح لمبی چوڑی اُمیدیں نہیں دلا سکتا کہ خود میرے پاس امارت کا نام نہیں ہے۔" اس کے بعد رانا نے سفر کے متعلق مزید تفصیلیں سے معلومات بہم پہنچا کر نوجوان کو رخصت کر دیا۔ نوجوان جُھکا اور کورنش بجا لا کر باہر آگیا۔

اس دن نوعمر بسونت سنگھ اپنے آپ کو ایک قابلِ فخر اور کامیاب انسان سمجھ رہا تھا۔ کہ اس نے میواڑ کے رانا کی فوج میں شمولیت کر لی تھی۔ اور رانا کی فوج مغل شہنشاہی کے اس سیلاب کو روک رہی تھی۔ جو راجستان کی باقی ماندہ زمین پر پھیلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بسونت سنگھ کو زندگی میں کبھی اتنی عظیم اور فخر آمیز ذمہ داری سپرد نہ کی گئی تھی۔

بسونت سنگھ ایک غریب مگر شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اکثر راجہ مل نے اسے ذمہ دارانہ کام سپرد کئے تھے۔ اور بطور معتمد اس نے سفر کئے تھے۔ لیکن خود رانا کی نظرِ خاص میں اعتماد حاصل کرنا اور شاہی خاندان کی شہزادی کو اپنی نگرانی میں لیجانا حقیقتاً "تعظیم" تھی۔

(۲)

معینہ وقت پر بسونت سنگھ رانا کے محل کی پُشت پر پہنچ گیا جو ایک چٹان کی نوکیلی

چوٹی پر بنا ہوا تھا۔ یہ جگہ مغل حملہ سے بچنے کے لئے رانا نے دیہات اور پہاڑیوں کے درمیان فوج اور محلات کے لئے پسند کی تھی۔ یہاں سے بسونت سنگھ میدان میں لگے ہوئے گورے چٹے راجپوت خیموں کو آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔ گولکنڈہ کا راستہ اُسے سامنے جنوب مغربی سمت دکھائی دے رہا تھا۔ ایک چٹانی سخت راستہ جو کہیں کہیں درختوں کی باڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ جو پہاڑی کے دامن سے لیکر سامنے افق کے سرے تک دوسری پہاڑی تک پھیلا ہوا تھا۔ جونہی بسونت نے اپنی منزل کی جانب نگاہ دوڑائی مختلف قسم کے خیالات اس کے دماغ میں گھوم گئے۔ چھ سواروں کی معمولی سی ٹولی کے ساتھ اتنی بڑی ذمہ داری اس کے سر ہوگی۔ پھر راستہ بھی نامعلوم کتنا خطرناک ہو۔ میواڑ کے شاہی خاندان کی خاتون اور گولکنڈہ کا دشوار گزار راستہ! جو کبھی دیکھا تک نہیں۔ تھوڑی دیر وہ اپنی ذمہ داری کے احساس پر غور کرتا رہا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شہزادی جس کو اسے لے جانا تھا۔ رانا کی چھوٹی بیٹی پدما دیوی کے علاوہ کوئی نہ تھی۔ جس کے حُسنِ سیرت وصورت کی شہرت سارے راجستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کی بہادری اور اخلاق کے افسانے بھی زبان زد خلائق تھے۔ حتیٰ کہ اس کی خوبصورتی کا شہرہ مغل دربار تک پھیلا ہوا تھا۔ اور کہنے والوں نے تو یہاں تک کہا تھا کہ متعدد مغل شہزادوں نے دل میں ٹھانی تھی۔ کہ پدما کو اپنائیں اور اپنے حرم کی رونق بنائیں۔ بسونت جانتا تھا کہ موجودہ سفر کچھ اس قسم کا تھا کہ اس پُرخطر رستہ سے گزر کر صحیح سلامتی سے گولکنڈہ تک پہنچنا مشکل تھا۔" جلد ہی بسونت کے ساتھ چلنے والے چھ سوار اُس سے آن ملے۔ ان میں سے ایک ابھی کم عمر لڑکا ہی تھا جو بالکل معصوم تھا۔ اور جس کی نرم ونازک شکل عورتوں جیسی تھی۔ اس کی نازک کلائیوں اور

مسکراتی ہوئی کٹورا سی سیاہ آنکھوں کو دیکھکر بسونت کو تعجب تھا کہ ایسے پُرخطر سفر پر اسے کیوں بھیجا گیا ہے۔ باقی پانچ سخت جان اور دھوپ سے جلے ہوئے "لڑائی کے تجھنے" راجپوت گنوار تھے۔

اس کے بعد چار کہاروں کے کاندھے پر رکھی ہوئی زرنگار پالکی آگئی۔ اور اسی میں شہزادی تھی۔ سفر پر چلنے کے لئے ہر چیز تیار تھی۔

ایک پُرپیچ پگڈنڈی سے وہ لوگ پہاڑی سے نیچے میدان میں آ گئے۔ اور راجپوتوں کے خیموں سے گزر کر گولکنڈہ کے ناہموار راستے پر گامزن ہوئے بسونت نے خود کو گھوڑسواروں کے سامنے رکھا تاکہ پالکی کے نزدیک رہ سکے۔ اس کا باقی قافلہ اس کی پشت پر ایک قطار میں چل رہا تھا۔

(۳)

ایک بار جو بسونت نے اوپر نگاہ اٹھائی تو اس نے پالکی کی کھڑکی کھلی پائی اور دو چمکتی ہوئی خوبصورت سیاہ بلوری آنکھیں اور ایک حسین چہرہ کی اچٹتی سی جھلک پالی۔ دوسرے لمحہ وہ نظریں دوسری جانب کو ہوگئیں۔ اور چمکتا ہوا حسین چہرہ نقاب کی آڑ میں چھپ گیا۔ لیکن کھڑکی تب بھی کھلی کی کھلی رہی اور نوجوان بسونت زیادہ دیر تک اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ کہ وہ دوبارہ اس طرف نہ دیکھے۔ اب اس نے پورا چہرہ دیکھ لیا۔ اس کی من موہنی صورت کو دیکھ کر بسونت اپنے آپ کو کھو بیٹھا۔ اس حسین صورت کو دیکھ کر وہ اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکا۔ بسونت کے دماغ میں، ایک دم پالکی والی کا حسن چھا گیا۔ نقاب دوبارہ نہ ڈالا گیا۔ اور پالکی میں بیٹھی ہوئی لڑکی اور بسونت نے کئی بار ایک دوسرے کو آزادانہ دیکھا۔ نوجوان ہر نگاہ کے بعد لڑکی

کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتا گیا اور لڑکی بھی۔ اپنی امتیازی حیثیت کے باوجود ادنیٰ راجپوت کی جرأت آمیز حرکت سے ناراض نہ تھی۔

(۴)

ایک چھچھلتا ہوا قہقہہ بسونت کے پیچھے سے بلند ہوا۔ جس سے وہ اپنے حسین خوابوں سے چونک پڑا۔ یہ نرم نازک صورت والا وہی ساتھی لڑکا تھا۔ جو اس طرح ہنس رہا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بسونت کے قریب لاکر کان میں کہا۔ "کیوں یار ہے کہ نہیں خوبصورت ؟" بسونت کو کچھ زیادہ خوشی نہ ہوئی۔ کیونکہ اُسے اپنے حسین خوابوں میں کسی کی بھی دخل اندازی پسند نہ تھی۔

"اگر تمہارا مطلب شاہزادی سے ہے تو یاد رکھو وہ میواڑ کے رانا کی بیٹی ہے۔ اور اس کے متعلق تعظیم کے سوا کچھ منہ سے نہ نکالنا چاہیئے۔" بسونت نے فوراً جواب دیا۔

"اس لئے کہ وہ ایک سپاہی کی قسمت میں نہیں ہے؟ ہونہہ"!

"ابے مسخرے حسین لڑکیاں پیار محبّت ہی کرنے کو ہوتی ہیں۔" بسونت نے مُسکرا کر کہا۔

لیکن نوجوان نے مطلق پروا نہ کی۔ اور جب بسونت نے ٹھنڈے دل سے غور کیا تو اُسے محسوس ہوا کہ واقعی نوجوان کے ہنسنے پر اس کا غصّہ بالکل نامناسب تھا۔ بھلا اسے رانا کی لڑکی سے محبّت کرنے کا حق ہی کیا ہے؟ تاہم شہزادی کے بےمثال حُسن سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کی خواہش اب بھی اس کے دل میں بے انتہا تھی۔ لہٰذا اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پالکی کے نزدیک پہنچ گیا۔ تاکہ اپنی دلی کیفیات کو سرچشمہ حُسن میں غرق کردے۔

اب وہ لوگ ملک کے ایک قطعی غیر آباد اور بنجر علاقہ سے گزر رہے تھے۔ کہار بوجھ سے نیز تیز قدم اٹھا رہے تھے۔ اور گھوڑے ہلکی ہلکی دلکی چال چل رہے تھے۔

(۵)

یکایک خاموشی کے پردے چاک ہو گئے اور وہ بھی عجیب طرح دُور سے سرپٹ گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز ان کے کانوں میں بجنے لگی۔ اور دوسرے لمحے ہی سامنے افق پر گرد کے بادل اُٹھتے ہوئے دکھائی دیئے۔ گھوڑا سواروں کی ایک جماعت مخالف سمت سے ان کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اتنے فاصلہ سے اس بات کا امتیاز مشکل تھا کہ وہ دشمن تھے یا دوست۔ بہر حال کسی صورت میں بھی بسونت یہ موقعہ ہاتھ سے چھوڑنے والا نہ تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر وہ تیزی سے کہاروں کی جانب مڑا اور ان سے کہا۔

" ایک دم بائیں جانب مڑ جاؤ۔ اور تیزی سے بڑھتے چلے جاؤ۔ تا وقتیکہ تم چشمے کے کنارے نہ پہنچ جاؤ۔ چشمے کے کنارے کنارے مغرب کی جانب بڑھنا۔ اگر برابر کی فوج کا رویہ دوستانہ ہوا تو ہم لوگ جلد ہی تم سے آملیں گے۔ ورنہ ہم اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک ہماری تلواریں اور بازو سالم رہیں گے۔ اس دوران میں تم لوگ شہزادی کو اپنے ہمراہ لیکر جلد سے جلد چلے جانا اور رحیب تک پیر تمہارا ساتھ دیں برابر چلتے رہنا "

بسونت نے ایک اچٹتی سی نظر شہزادی پر ڈالی جس نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔ اس کے بعد کہاروں نے اپنا حسین بوجھ اُٹھایا اور تیز تیز قدموں سے چل دیئے۔

بسونت نے اپنے آدمیوں کو مقابلہ کے لئے تیار کیا۔ اور یہ چھوٹی فوج تیزی سے بڑھنے لگی۔ اسی وقت بڑھتی ہوئی گھوڑسواروں کی جماعت بھی بگولہ کی طرح گھومتی ہوئی قریب آگئی وہ تعداد میں قریب قریب بیس تھے۔ اب مقابلے کے سوا کیا چارہ تھا؟ اس لئے بسونت اور اس کے ساتھیوں نے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑایا اور بڑھتی ہوئی فوج کے مقابلے پر پہنچ گئے۔ اگرچہ مقابلہ بالکل شیر بکری کا سا تھا مگر بسونت کو اس کا خیال نہ تھا۔ اگر وہ قتل بھی ہوجاتا تو کوئی بات نہ تھی۔ اپنی زندگی کو شاہزادی کے ساحرانہ حسن اور ملکوتی چہرہ کی حفاظت پر قربان کرنا اس کے لئے موجب فخر و غرور تھا۔ کہ شاہزادی نے باوجود ان دونوں کے درمیان اس قدر وسیع اقتصادی خلا کے اس کا دل یکایک مٹھی میں لے لیا تھا۔

لیکن افسوس اس کے دل کے جری منصوبے بڑی بے کیفی سے برباد ہوگئے۔ یہ ایک جھوٹ موٹ کا حملہ تھا۔ مخالف راجپوت دوست نکلے جو رانا میواڑ کی فوج میں ملنے کے لئے اس راستہ سے گزر رہے تھے۔ اب بسونت اپنی دلی کیفیات کا اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ کس قدر خوش ہوتا۔ کیا پھر کبھی ایسا موقعہ آئیگا کہ حسین شہزادی کے لئے اپنی جان دے سکے۔ معاملہ ختم ہوگیا۔ اس لئے بسونت جلدی سے شاہزادی سے جا ملنے کے لئے بڑھا اور عین اسی وقت اُس نے یہ محسوس کیا کہ اس کی جماعت میں سے وہ لڑکا غیر حاضر ہے۔ حسین شکل اور سحر طراز آنکھوں والا۔ لڑکا کہیں ڈھونڈھے سے بھی نہ ملتا تھا۔

"بزدل کہیں کا" بسونت نے اپنے دل میں حقارت سے کہا "یہ تو پہلے ہی مجھے اس کی چکنیوں والی شکل ہی سے جان لینا چاہئے تھا۔ ذرا اس تو جا لے اب سمجے"

(۶)

وہ لوگ جلد ہی پالکی کے نزدیک آ گئے جو بسونت کے حکم کے مطابق چشمے کے کنارے کنارے جا رہی تھی۔ لیکن یہ گھوڑے پر ساتھ ساتھ کون سوار ہو سکتا ہے۔ یقیناً وہی بھگوڑا لڑکا! وہ اور پالکی والی نہایت بے تکلفی سے بات چیت کر رہے تھے۔ کہ اس نے دور ہی سے ان قہقہوں کی آواز صاف سن لی۔ بسونت نے اُسے حسد اور غصہ کے مارے بُرا مانا۔ لڑکے نے اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اپنے ان ساتھیوں کو دیکھ کر جنہیں وہ خطرہ کے وقت تنہا چھوڑ آیا تھا۔ بالکل شرم اور ندامت محسوس نہ کی۔ اس نے اُن لوگوں کی معمولی سی بھی پروانہ کرتے ہوئے شہزادی سے بات چیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ جونہی بسونت نزدیک آیا اس نے لڑکے کو کہتے ہوئے سُنا۔ "لیجئے وہ آ گئے آپ کے مشہور جنگجو۔ بیچارہ کی ماری ہوئی کنواری لڑکیوں کے سردار شکر کیجئے کہ خدا نے خیر کر دی۔ مخالف جماعت نے ان حضرات کو بخش دیا اور لڑنا پسند نہ کیا!"

یہ طنز آمیز فقرے بجلی کی طرح بسونت کے دل میں اُتر گئے۔ اس سے بھی گری ہوئی بات یہ تھی۔ کہ اس نے شاہزادی کو ہنستے ہوئے سُنا۔ حد ہو گئی! اس سے زیادہ بسونت برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور لڑکے کے قریب آگیا۔ جھپٹ کر اس کی گردن داب لی اور دانت پیس کر کہا:۔

"اے بزدل کہیں کے۔ میں تجھے خطرے سے کھسکنے کا مزہ چکھاؤں گا۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ یہاں عزت اُڑا رہا ہے اور ٹھٹھے مارتا ہے۔"

اس نے اُسے آدھا اٹھا لیا۔ کیونکہ وہ لڑکا نازک، اور منحنی جسم کا تھا اور قریب تھا کہ سخت زد و کوب کیا جائے کہ شہزادی درمیان میں مخل ہو گئی۔

"نوجوان آدمی معاف کرو"۔ صاف آواز پالکی سے گونجی "تم نہیں جانتے کہ تم کیا کر رہے ہو یہ میری خواہش سے ہوا کہ وہ میرے ساتھ تھا۔ میں تنہا رہنا نہ چاہتی تھی۔

بسونت نے لڑکے کو چھوڑ دیا اور حقارت سے ایک طرف کو ہٹ گیا۔ ظاہر تھا کہ شہزادی اس کی قربانی کو سمجھنے سے قاصر رہی تھی۔ اس کا آخری جملہ اسے یوں محسوس ہوا۔ جیسے ملامت کر رہی ہو۔

"ہونھ! میں تنہا رہنا نہیں چاہتی تھی!" گویا یہ سب اس کی سلامتی کے لئے نہیں کیا جا رہا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ اس کی حفاظت میں وہ اپنی جان تک دینے کو تیار تھا۔ اب یہ دوسری بات تھی کہ اس حقیقت کو ثابت کرنے کا موقعہ ہی نہ آیا۔ اس میں اس کا کیا قصور تھا؟

اس نے سوچا اگر مخالف جماعت ان کی دشمن ہوتی تو اس بیدرد شہزادی کو اس کی خدمات کے اعتراف کا صحیح موقع مل جاتا۔ اس کے باوجود یہ حقیقت تھی کہ اسے لڑکیوں کی شکل والے بیوقوف لڑکے کی یگانگی عزیز نہ تھی۔ مگر یہ لوگ اس ذرا سے واقعہ میں کس طرح ایک دوسرے سے اتنے وابستہ ہو گئے۔ یا یہ لوگ پہلے ہی سے ایک دوسرے کے واقف ہیں؟ اس وقت بھی جب اس نے لڑکے کو ہلا کر چھوڑ دیا تھا۔ وہ ان دونوں کی خوشگوار گفتگو اور ہنسی ٹھٹھے کو سُن سکتا تھا۔ اس نے تمام خوش شکل نوجوانوں۔ تمام بے پروا اور بے درد شہزادیوں اور تمام بے وقوف دل لگانے والوں کو اپنے سمیت کوسنا شروع کر دیا۔

(۷)

رات گئے وہ لوگ ایک گاؤں میں پہنچے۔ آدمیوں اور جانوروں کو آرام کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک سرائے تلاش کی۔ ایک علیحدہ کمرہ صرف شہزادی کے

استعمال کے لئے مخصوص کر دیا۔خوب آرام لیکر اور پھر سے تازہ دم ہو کر وہ لوگ چلنے کو تیار ہوئے پالکی شہزادی کے کمرہ کے سامنے لائی گئی۔گھوڑے صحن میں جمع ہو گئے۔بسونت نے دیکھا۔کہ وہ لڑکا جس سے متواتر اس کی نفرت بڑھتی جا رہی تھی پھر غائب تھا۔گھوڑا موجود تھا۔لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

شہزادی کے کمرہ کا دروازہ کھلا۔اور وہ ایک باریک و نفیس نقاب میں باہر نکلی۔ اس کے ساتھ برابر سے غائب نوجوان نکلا۔بسونت بمشکل اپنی آنکھوں پر یقین کر سکا۔ بہرحال وہ انھیں دھوکا نہ دے سکتا تھا۔لیکن جو کچھ تھا وہ تھا ضرور ایک خفیہ عاشق کسی نہ کسی طرح محافظوں میں شامل ہو گیا۔محض اپنی منظورِ نظر کی خاطر "بے شرم مسخرا۔اور ویسی ہی اس کی ساتھی ہے۔ اپنے کئے پر پچھتاوے اور چال چلن پر ندامت کی بجائے وہ اپنے دلوں میں بڑے خوش معلوم ہوتے تھے۔

ایک آزادانہ مسکراہٹ کے ساتھ وہ پالکی میں داخل ہو گئی اور نوجوان اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر اس کے برابر بڑھ لیا۔بسونت کو بڑی کوفت ہو رہی تھی"۔منزل مقصود پر بخیر و عافیت پہنچنے کے بعد وہ اس شہزادی کو بالکل بھول جائے گا جس نے اپنے آپ کو ایک پُرخلوص دل کی بے لوث قربانی کے لئے سراسر نااہل ثابت کیا ہے لیکن سب سے پہلے وہ اس اُلّڑھ نوجوان کی عقل ٹھیک کرے گا"۔وہ نوجوان کے قریب گیا اور اس کے کان میں آہستہ سے کہا اس طرح سے کہ شہزادی کے کان تک بھنک نہ پہنچ جائے"۔پاگل لڑکے تمہارا چال چلن بے حد مشکوک ثابت ہوا ہے۔اس سفر کے دوران میں سارے رستے میں میں نے بہت کچھ غیر معمولی واقعات محسوس کئے ہیں۔سفر میں شہزادی کی حفاظت مجھے تفویض کی گئی تھی اور یہ میرا فرض ہوگا کہ واپسی پر رانا کو تمہارے متعلق مطلع کر دوں"۔نوجوان بڑا بشاش نظر آتا تھا اور یہ معلوم

ہوتا تھا کہ کوئی بات بھی اسے نادم نہیں کر سکتی۔ وہ یک دم کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"ارے یار تم تو جلتے ہو۔ کیوں؟ اکیلے ہی اکیلے شہزادی کی ترچھی چتونوں کے مزے لوٹنا چاہتے ہو۔ لیکن حضرت زیادہ جوش میں آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال رکھئیے کہ میں اور وہ "پرانے" دوست ہیں۔ اور حقیقتاً اگر تم جاننا ہی چاہتے ہو تو سنو۔ دنیا میں کوئی شہزادی نہیں جس سے میں شہزادی پدماوتی کے برابر محبت کرتا ہوں اور دنیا میں کوئی شہزادی نہیں جو پدماوتی کے برابر مجھ سے محبت کرتی ہو۔ لیکن آپ مطمئن رہیں۔ میں آپ کی "جرأت مقابلہ" اور "اطلاع" کو نہ بھولوں گا۔ رانا کے خاندان میں مجھے دخل حاصل ہے اور میں دیکھوں گا کہ دوران سفر میں جیسا کچھ تمہارا "چال چلن" رہا ہے مناسب موقع پر پہنچانا جائے کہ کس طرح تم نے خود رانا کے خاندان کی ایک خاتون سے عشق جتا کر میواڑ کے شاہی خاندان کی خدمت کے سلسلہ میں احساس فرض کا ثبوت پیش کیا ہے۔"

بسونت زیادہ نہ سن سکا۔ اسے احساس جرم ہونے لگا۔ خفیفتاً رانا کی لڑکی پر مجرمانہ نگاہیں ڈالنے کا اسے حق ہی کیا تھا؟ اگر اس نوجوان نے جو شہزادی سے اپنے عشق کا اظہار اس قدر دلیری اور صاف گوئی سے کر چکا تھا۔ اس کی شکایت کر دی اور دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا دیا تو ——— مختصر یہ کہ خیال بہت پریشان کن تھا۔ باقیماندہ سفر بلا کسی حادثہ کے گزرا۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ پر فضا دیہات کا علاقہ تھا۔ لیکن اسے یہ مناظر محبت اور جوانی کے بھولے ہوئے خیالات کی طرح پھیکے پھیکے لگتے تھے۔ اس وقت بسونت پر عشق و محبت کے خیالات سوار نہ تھے۔ خوش قسمت لڑکا موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ وہ اور شہزادی ایک دوسرے سے گاگا کر اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے اور برابر میٹھی میٹھی باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ بسونت نے انھیں دیکھ کر ایک ٹھنڈا سانس لیا۔ گانے نے

اسے تکلیف دی اور نوجوان کے لہراتے ہوئے قہقہوں نے جس میں شہزادی کے نقرئی قہقہے بھی شامل تھے اس کے دل کو زخم خوردہ کر دیا۔ وہ اس قسم کی چیزوں سے اب دلچسپی نہ رکھتا تھا۔

(۸)

آدھی رات کے قریب وہ لوگ گولکنڈہ کے چھوٹے سے قلعہ میں پہنچ گئے۔ رانا کے بھائی نے جسے ان کی آمد کی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی۔ ان کا استقبال کیا۔ اپنے فرایض سے سبکدوش ہو کر بسونت اپنی مقررہ جائے رہائش میں چلا گیا۔ ابھی تک اس کا دماغ بھاری بھاری تھا۔ رخصت ہوتے ہوئے نوجوان نے ایک بار اور اپنی دھمکی کو دُہرایا تھا: "صبح رانا کے بھائی کے سامنے پیشی کے لئے تیار رہئے اُس وقت آپ اپنا فیصلہ خود سن لیں گے۔" یہ تھے اس کے آخری الفاظ۔!

(۹)

لڑکے کی بات سچ ثابت ہوئی۔ تڑکے ہی محل سے بلاوا آ گیا۔ ظالم نے کر دیا کام۔

"شہزادی پدما سفر کے دوران میں تمہارے برتاؤ اور چلن سے بہت خوش ہوئی ہے" رانا کے بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ تمہارے احساس فرض کی تعریف کے علاوہ کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ وہ تمھیں اس کا انعام دینا چاہتی ہے۔" رانا کے بھائی کا لہجہ طنزیہ معلوم ہوتا تھا۔

بسونت خوف و تشویش سے گم سم بنا کھڑا تھا۔ نگاہیں فرش پر گڑی تھیں۔

"وہ کہتی ہے نقدی تمہارے لئے ایک ادنیٰ انعام ہوگا۔ اصل میں شہزادی تمہاری ذاتی صفات میں اس درجہ دلچسپی محسوس کرتی ہے کہ وہ ایک ایسے انعام کی سفارش کرتی ہے جو تمہارے لئے مناسب ہوگا۔ عورتیں ہی اس قسم کی باتیں سوچ سکتی ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ انعام جو تمہارے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ تم کو بے حد پسند ہوگا۔

یہ کہتے کہتے سردار رک گیا۔ اور بسونت کی جانب دیکھا۔ جو شروع ہی سے گہری سوچ میں کھڑا تھا۔ اس نے سوچا آخر کس قسم کا جواب مانگا گیا ہے۔ بہرحال حالات کچھ موافق نظر نہ آتے تھے بہت کوشش کرکے اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔"جو کچھ شہزادی صاحبہ چاہیں گی میرے لئے قانون ہوگا۔

"اچھا انعام جو اس نے تمہارے لئے سوچا ہے۔ تمہاری" دلہن بننا ہے"۔

"دُلہن؟ اس کے لئے! کیا یہ ظالم شہزادی اس کی تذلیل کرنا چاہتی ہے؟"

"شہزادی کو بالکل یقین ہے کہ تم انعام کو منترد نہ کروگے۔ جب تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہاری دُلہن کون بننے والی ہے۔ بطور مراعات خاص تم اسی وقت اسے دیکھ سکتے ہو۔ اس نے مجھے بتایا ہے۔ اس کا چہرہ تمہارے لئے نیا نہ ہوگا"۔

ایک دروازہ کھلا اور ایک نقاب پوش جسم آہستہ آہستہ اندر داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے ایک بوڑھی عورت آرہی تھی ——— !

"ارے بھئی شرماؤ مت! اب تم نقاب ہٹا سکتی ہو!"

بوڑھی عورت نے نقاب اُٹھا دیا۔ بسونت نے ایک نگاہ ڈالی اور بے حد متعجب ہوا۔ یہ خاتون وہی "پالکی والی" تھی۔

"حیران نہ ہو" رانا کا بھائی مسکرایا۔" یہ شہزادی نہیں ہے بلکہ اس کی ایک خادمہ ہے" اس نے بطور قربانی شہزادی کی بجائے خود شہزادی کی پالکی میں سوار ہونا منظور کرلیا تھا تاکہ مزید احتیاط ہو جائے جس کے لئے میرے بھائی رضامند ہوگئے۔ اصل شہزادی نے تمہارے ہمراہ مردانہ لباس میں خوبصورت لڑکا بن کر سفر کیا"!

(۱۰)

ایک سیمیں قہقہہ دروازہ کی دوسری جانب سے گونجا۔ بسونت نے دبیوں

بار اس قسم کے قہقہے سفر میں شرک پر انتہائی حقارت سے سُنے تھے۔ یہ اسی حسین لڑکے کے نغمے جواب بجائے رقیب کے شہزادی تھی۔ لیکن اس وقت یہ اس کے کانوں کو ایک فردوسی نغمے محسوس ہو رہے تھے ——— !

مفلس حسینہ

(۱)

یوں تو حسن کی کرشمہ سازیاں دنیا میں عام ہیں مگر سب سے زیادہ مکمل اور موثر انداز میں ان کا مطالعہ ملکہ روس کیتھرائن کی رنگین زندگی سے ہو سکتا ہے۔

کیتھرائن ۱۶۸۲ء میں ناروے سویڈن کی قلمرو کے ایک چھوٹے سے صوبہ لیوونیا میں پیدا ہوئی۔ اس کا باپ ایک ادنیٰ فوجی سپاہی تھا اور اسی نسبت سے کیتھرائن کی ابتدائی زندگی تاریکی اور گمنامی میں گزری کیتھرائن کے ہموطنوں نے خاندان کے لئے اس لڑکی کو بہت سبز قدم سمجھا کیونکہ وہ عالم وجود میں بھی نہ آئی تھی کہ باپ کا سایہ پہلے ہی سر سے اٹھ گیا۔ باپ کی موت کے بعد ماں بیٹی کا کوئی پرسان نہ تھا تاہم کیتھرائن کی ماں نے فاقہ و مشقت سے اپنا اور بچی کا پیٹ پالنا شروع کیا لیکن امتدادِ زمانہ کو برداشت نہ کر سکی اور اس لڑکی کا پیٹ بھرتے بھرتے خود بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دیدی۔ اس وقت کیتھرائن کی عمر بمشکل سے تین برس کی ہوگی۔

اس تین برس کی لاوارث بچی کو گاؤں کے ایک اور شخص نے پرورش کرنا شروع کیا لیکن چند قدرتی واقعات کی بنا پر اس نے بھی اسے منحوس سمجھا اور شہر مربن برگ کے

پادری کے یہاں چھوڑ دیا جہاں کینتھرائن پادری کے لڑکوں کی خدمت پر ایک چھوکری کی طرح نوکر رہی۔ پادری کے لڑکوں کے ساتھ ساتھ کینتھرائن بھی پڑھتی رہی وہ اتنی تیز اور طبّاع تھی کہ جو کچھ لڑکوں کو پڑھایا جاتا خود یاد کرتی جاتی ساتھ ساتھ بچّوں کی خدمت بھی ایسی تندہی سے کرتی کہ پادری اس سے بڑا خوش ہُوا کینتھرائن ذہین و طباع ہونے کے علاوہ بچپن ہی سے بڑی حسین وصبیح تھی۔ پادری کے لڑکے تو یونہی رہے مگر کینتھرائن نے علم وفضل میں وہ ترقی کی کہ اُستاد بھی عش عش کرنے لگے اور اس کی خداداد اہلیتوں پر اس کو لڑکوں کی اتالیق مقرر کیا۔

بتدریج کینتھرائن نے ترقی کی راہیں طے کرنا شروع کیں۔ عہد طفلی کے دھندسے افق پر شباب کی بدلیاں اُبھرنا شروع ہوئیں اور ملکوتی حسن کی پیشانی پر جوانی کے چندن نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

کینتھرائن کا سادہ اور قدرتی حُسن اور اس پر جوانی کا اُٹھان قیامتِ صغرا بن کر چھا گیا۔ اس ماہ طلعت حسینہ کے شباب نے لوگوں کے دلوں کے سکون لوٹ لئے ان کی دنیائے دل میں ہلچل مچا دی۔

(۲)

ایک دن وہ جھیل کے کنارے کھڑی ہوئی علی الصباح نکلتے ہوئے سورج کا نظارہ کر رہی تھی اور رات کے رنگین خواب کی یاد میں ایک حسین انگڑائی لے رہی تھی کہ حسکہ مت سویڈن کے ایک مسلح سپاہی کی اس پر نظر پڑ گئی اس نے اسی طرح وردی اور ہتھیار لگے ہوئے آہستہ سے کینتھرائن کے پیچھے سے آکر اُن ہی پھٹے ہوئے کپڑوں میں اس کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

کیتھرائن نے اپنے بازو پھیلا دئے اور اپنی جوانی اور شباب کی تشنگی کو دادِ عیش دے کر شرمندہ نفس کیا۔ اگرچہ اس کے حسنِ عالم تاب نے زمانے کی نظریں چندھیا ئی رکھی تھیں مگر مفلسی و فلاکت نے اسے اپنی قسمت اسی سپاہی سے وابستہ کرنے پر مجبور کیا۔ اور ۱۷۰۱ء میں اس سویڈی سپاہی سے کیتھرائن کی شادی ہو گئی۔ بدنصیبی اور منحوس حالات ابھی تک گھناونی روحوں کی طرح کیتھرائن سے چمٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ شادی کے صرف ایک سال بعد جب حکومت روس نے سویڈن پر لشکر کشی کی تو سویڈن میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا۔ نتائج ظاہر ہیں۔ شہر مریِن مرگ برروسیوں کا قبضہ ہو گیا۔ کیتھرین کا شوہر جنگ میں کام آگیا۔ کیتھرائن کو مالِ غنیمت میں شامل کر کے روسی جنرل باآور سویڈن سے روس لے گیا اور جاکر اپنے مکان میں ایک ڈربے پھا کی طرح باحفاظت رکھا۔ اس کا خیال تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد کیتھرائن سے باقاعدہ شادی کر کے مسرت اور اطمینان کے دن کاٹے۔ جنرل باآور کے محل سے ملحق روسی رئیس اعظم لارڈ میسچی کوف کا محل تھا۔ جنرل باور کا بڑا دوست اور ہمراز تھا۔ چنانچہ اپنی ڈیوڑھی کو لارڈ کی حفاظت میں دے کر جنرل باور محاذ جنگ پر روانہ ہو گیا۔ اس مصیبت زدہ اور خانہ برباد لڑکی کی دکھ بھری آپ بیتی کو سنکر اور بے حرمتی و بیچارگی کو دیکھ کر لیڈی لارڈ میسچی کوف نے کیتھرائن پر مہربانی کرنی شروع کردی اور اس کی ہر ممکن امداد کرنے لگی۔ کیتھرائن اسے مہربان دیکھ کر کبھی کبھی اس کے پاس اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کو جا بیٹھتی اور لیڈی کوف بھی اس ستم زدہ خاتون کی خاطر خواہ دلجوئی و غمخواری کیا کرتی۔ اتفاقاً ایک روز کیتھرائن لیڈی کوف کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ لارڈ میسچی کوف کی اس پر نظر پڑ گئی۔ بس پھر کیا تھا دل میں طوفان بیچ گیا اور یکایک دل کھو بیٹھے۔ لارڈ صاحب اپنی اس رنگین تصویر کے لئے مناسب عملی چوکٹا تلاش کر رہے

بنے کہ ایک نئی مصیبت پیش آئی شہنشاہ روس پٹرس اعظم اور لارڈ میچی کوف کے دیرینہ تعلقات تھے اور بادشاہ کا لارڈ کے گھر آنا جانا تھا ایک دن بادشاہ لارڈ میچی کوف کے یہاں آیا اور اس نے برآمدہ میں بیٹھی ہوئی حسینہ و مہ جبینہ کیتھرائن کے معصوم حسن کی جھلک پالی۔ بے اختیار دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ اسے پاس بلاکر اس کے حالات دریافت کئے اور اس کی شیریں آواز اور عاقلانہ باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ اس وقت تو محل واپس چلا گیا لیکن اس کی جدائی میں کسی کل چین نہ تھا اور بار بار کیتھرائن کی موہنی مورت اس کی آنکھوں میں آآکر اس کے سکونِ قلب کو تہ و بالا کرتی تھی۔ بادشاہ نے لارڈ کے گھر آنا جانا اور زیادہ کر دیا اور کیتھرائن سے رسم و راہ پیدا کر لئے جوں جوں وقت گزرتا گیا کیتھرائن اور پٹرس میں تعلقات شدید سے شدید تر ہوتے گئے اور ان میں ایک قسم کا انس اور لگاؤ پیدا ہو گیا۔ قصرِ باور کی مرمریں جھیلوں کے کنارے چاندنی راتوں میں سیب کے پھولوں سے لدے ہوئے پودوں کے نیچے گھنٹوں شہنشاہ کھڑا اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہتا۔ تاج شاہی اور فلاکت و افلاس میں باریک سی حد بھی مفقود تھی شہنشاہ مسکرا کر کیتھرائن کو اپنی آغوش میں کھینچ لیتا اور کیتھرائن اپنے آپ کو چھڑا کر سیب کا ایک پھول توڑ کر ہاتھ میں مسل دیتی، نقرئی قہقہے فضا میں گونجتے اور پھر کیتھرائن کا سنہری بالوں والا نازک سر شہنشاہ کے ٹھوس اور مضبوط بازوؤں پر رکھا ہوتا۔ اس یگانگت اور یکجائی نے کیتھرائن کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ ایک دن شہنشاہ کی والہانہ محبت کے مرمریں نقش سے مجبور ہو کر اس کا قدم ڈگمگا گیا اور وہ ہیجان نفس کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر اپنے ننگ ناموس بحرِ فنا میں غرق کرنے پر مجبور ہو گئی۔

(۳)

کچھ عرصہ پہلے پٹرس گھریلو معاملات اور باہمی نا اتفاقی کی وجہ سے اپنی بیوی کی طلاق دے چکا تھا اور عرصہ سے کیتھرائن ایسی حسینہ و محبوبہ کی تلاش میں تھا۔ لیکن کیتھرائن کی کمتر حالت اور مفلوک الحالی کی وجہ سے باقاعدہ شادی کرنے سے گریز کرتا تھا۔ چنانچہ خفیہ طور سے تعلقات قایم رکھے۔ رفتہ رفتہ پٹرس پر کیتھرائن کی مے شباب کا ایسا نشہ سوار ہوا کہ وہ اس کی طبیعت پر پوری طرح حاوی ہوگئی اور ایسے ایسے عشوہ ہائے دلربا دکھائے کہ بادشاہ نے مجبور ہو کر کیتھرائن کو پوشیدہ طور سے روسی گرجے میں لے جا کر خفیہ نکاح پڑھا لیا اور "کیتھرائن الکزیونا" کا خطاب عطا کیا۔ ایسی باتیں بھی کہیں چھپا کرتی ہیں اڑتے اڑتے یہ بات امرا اور اہالیانِ حکومت کے کانوں تک پہنچ گئی۔ بہت کچھ کانا پھوسی ہوئی لیکن بادشاہ کے اثر اور دبدبے سے یہ دبی دبی افواہیں اور سرگوشیاں دب کر سرد ہوگئیں اور ہر کسی قسم کی مخالفت اور بغاوت کے جذبات آسانی سے ختم ہوگئے۔ بادشاہ کو کیتھرائن سے اس قدر محبت ہوئی کہ اس نے سینہ سپر ہو کر بغیر ارکانِ حکومت کا خیال کئے ہوئے کیتھرائن جیسی مجہول الحال عورت سے نکاح کرنے اور ملکہ بنانے کا اعلان کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اُسی زمانہ میں روس اور ترکی کی جنگ چھڑ گئی اور تمام لشکر کو محاذِ جنگ پر جانا پڑا۔ ایسے خطرناک وقت میں خود پٹرس کو لشکر کشی کے لئے جانا پڑ رہا تھا۔ ایک ایک کر کے تمام جنرل اور سردار محاذ پہ جا چکے تھے لیکن ترک تھے کہ بڑھے آرہے تھے اور کسی طرح یہ آگ و خون کا سیلاب رک نہ سکتا تھا۔ یہ زمانہ ۱۷۱۱ء کا تھا ایسے وقت میں پٹرس نے موقع مناسب خیال کیا اور اپنے خفیہ نکاح کا اعلان کر دیا۔ اہالیانِ حکومت اور ماتحت افسران ملکی انتظام اور جنگ کی طرف رجوع تھے اس خبر سے کچھ زیادہ چیں بچیں نہ ہوئے کہ اس کی مخالفت [illegible]

ان تک پہنچ چکی تھی اور اس طرح وہی لاوارث اور مفلس حسینہ تختِ روس کی رونق بن گئی۔
پٹرس خود بھی چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کی پریشانی دور ہوگئی اور قانونی حیثیت سے کیتھرائن کو ملکہ بنا کر اور اپنے ہمراہ لے کر نئی شان اور کروفر سے محاذِ جنگ کو روانہ ہوا۔ اس سفر کی وجہ سے کیتھرائن کی قدر اور بڑھ گئی اور ہر معاملہ میں وہ بادشاہ کو صائب رائے دیتی۔ بیماری میں تیمارداری کرتی اور افکار و آلام میں دلداری کرتی۔ رعایا اور سپاہیوں سے اس قدر محبت اور مہربانی سے پیش آتی کہ سارے لشکر کے دل پر حکومت کرنے لگی غریب سپاہیوں سے ملتے وقت وہ اپنی غربت کو یاد رکھتی اور ہر شخص کی ہمت افزائی اور تسلی و تشفی کرتی۔ ہر حالت میں وہ بادشاہ کے ساتھ رہتی حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں گھوڑے پر سوار ہو کر پہلو بہ پہلو پٹرس کے ہمرکاب رہتی۔

اس جنگ میں عثمانی عساکر نے کچھ ایسا جوش و خروش دکھایا کہ روسی پسپا ہوتے ہوتے اس قدر دب گئے کہ پٹرس کو باوجود انتہائی دفاع اور کوشش کے اپنی شکست کا یقین ہوگیا۔ پریشان ہو کر پٹرس محاذ سے مارا دھاڑا آیا اور سیدھا اپنے خیمہ میں چلا گیا تاکہ بچاؤ اور حملہ کی نئی صورت اختیار کرے۔ وہ تنہائی میں اس مہم پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے سنتریوں کو حکم دے دیا کہ خواہ کوئی بھی کیوں نہ ہو اس کے خیمہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ بادشاہ بہت پریشان حال اور رنج و غم کے عالم میں تھا جب کیتھرائن کو اس کی خبر لگی تو وہ بھاگی ہوئی آئی اور سنتریوں کے اصرار کے باوجود زبردستی بادشاہ کے خیمہ میں داخل ہوگئی۔ پٹرس اس کی صورت دیکھتے ہی باغ باغ ہوگیا اور اپنی مصیبت کا اظہار کر کے کیتھرائن سے صلاح مانگی اور کہا تم اکثر مصیبت کے وقت لاینحل مسائل میں صائب رائے دیا کرتی ہو اب بتلاؤ کیا کریں۔" کیتھرائن نے غور کرنے کے بعد جواب دیا۔

"میرے سرتاج بجائے اس کے کہ دفاع اور حملہ کی تدابیر پر وقت صرف کیا جائے میرا خیال ہے کہ صلح کی گفتگو کی جائے کہ سوائے اس راستے کے ہر حالت میں ہمارا اپنا نقصان ہوگا۔ رہا اس بات کا خیال کہ ترک صلح پر راضی ہوں گے یا نہیں اس کی ذمہ داری میں اپنے سر لیتی ہوں بادشاہ کو یہ رائے بہت پسند آئی اور اس نے اجازت دے دی۔ بادشاہ کا اشارہ پاتے ہی ملکہ کیتھرائن نے ایک روسی سردار کے ہاتھ بہت سے تحفے زروجواہر اور قیمتی ہدیئے سپہ سالار روم محمد پاشا کی خدمت میں روانہ کیئے اور صلح کی شرائط پیش کیں تمام ترکی شہر روس کو خالی کرنے پڑے صلح منظور ہوگئی دونوں لشکر خیریت سے اپنے اپنے ملکوں کو لوٹ گئے اور اس طرح ملکہ کی فہم و فراست نے لاکھوں جانیں قتل و غارت سے بچا لیں۔ بادشاہ پٹرس کے دل پر بہت اثر ہوا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ ملکہ کی قدر کرنے لگا۔ چنانچہ اس کی عزت افزائی کے لئے ایک طلائی اعزازی تمغہ ایجاد کیا جو آج بھی "سینٹ کیتھرائن" کے نام سے مشہور ہے۔

(۴)

اس صلح کے تین سال بعد کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس سے پٹرس کو بڑی خوشی ہوئی اور بڑی دھوم دھام سے جشنِ ولادت منایا اور ہر سال اسی طرح سالگرہ کے طور پر سارے ملک میں جشن منایا جاتے لگا بادشاہ نے ملکہ کی یاد تازہ رکھنے کے لئے بچی کا نام ننھی کیتھرائن رکھا۔ اس کی سالگرہ کو عمر بھر قومی عید کی حیثیت سے بڑی فراخدلی اور شان و شوکت سے مناتا رہا۔ ملک اور سلطنت کی ترقی کے لئے شہزادی کو ستارہ خوشحالی و ترقی سمجھا اور کچھ ہوا بھی ایسا ہی کہ جب سے شہزادی عالم وجود میں آئی تھی قلمرو کے اندر بحالی اور اندرونی معاملات میں خوشگواری کے ساتھ ساتھ غیر ممالک کے مقابلہ میں بھی

روس کو غیر معمولی ترقی و سبقت حاصل ہوتی جا رہی تھی۔
جس دن شہزادی کا سالگرہ کا جلوس نکل رہا تھا اور پیٹرس برگ کے ہر گھر میں رنگ و خوشی کی چھینٹیں اڑ رہی تھیں سویڈن میں روس کی فتح کا ڈنکا بج رہا تھا اور اسی جلوس میں سویڈن کے قیدی جشن کی رونق کو دوبالا کرنے کے لئے پابہ زنجیر دربار میں لائے گئے۔ اس سے پہلے ایک بار پیٹرس نے خفیہ طور سے گمنامی میں ساری دنیا کا سفر کیا تھا اور جملہ ممالک کی تہذیب و ترقی کا مطالعہ کیا تھا اور اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ وہ اس سفر کو باقاعدہ شاہانہ شان و شوکت سے بھی ایک بار کرے چنانچہ اب وہ وقت آ پہنچا اور اس نے اپنی عزیز ملکہ محبوبہ کیتھرائن کو ہمراہ لے کر سارے یورپ کا سفر کیا۔ راستے میں کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صرف ایک دن زندہ رہ کر گذر گیا۔ فرائض زچگی کی ادائیگی کی خاطر کیتھرائن راستے میں رک گئی۔ لیکن چند دن بعد اسی حالت میں بادشاہ سے جا ملی۔ اس رفاقت اور محبت کے اظہار سے بادشاہ اس قدر خوش ہوا کہ کیتھرائن کو محض ملکہ اور بیوی ہی نہیں بلکہ اپنی روح اور عیش و مصیبت کی عزیز ترین شریک بھی تصور کرنے لگا اور اس کے دل کا کوئی گوشہ ایسا نہ بچا جو کیتھرائن کی محبت سے خالی ہو۔ چنانچہ اپنی محبوبہ کی قربانی سے متاثر ہو کر اس نے وہ سب کچھ سونپنے کا ارادہ کر لیا جو اس کی ذات سے منسوب تھا۔ ایک عالیشان گرجا تعمیر کرا کے اس کا نام سینٹ کیتھرائن کینہ رکھا اور بڑے تزک و احتشام سے جلوس اور فوج و فرش کے ساتھ اسی گرجا میں ۱۷۲۴ء میں کیتھرائن کو تاج و تخت کا مالک بنا دیا اور تمام اہالیان سلطنت کے سامنے اپنے سر سے تاج اتار کر کیتھرائن کے سر پر رکھ دیا۔ خود جلوس کے ہمراہ ایک فوجی افسر کی حیثیت سے گیا اور کیتھرائن کو تاج و تخت سونپ کر اپنا جانشین

بنا دیا گرجے میں دربار قایم ہوا اور بادشاہ نے تمام امراء کے سامنے یہ اعلان پڑھ کر سنایا

"عزیز دوستو اور جملہ مقتدیان دین واہالیان ممالک و سرداران افواجِ روس! تمہارا بادشاہ اور شہنشاہ اعظم دولتِ روس اعلان کرتا ہے کہ جس طرح پچھلے زمانے سے رواج چلا آیا ہے کہ کسی وارث اولاد کی غیر موجودگی میں دیگر فرمانروا اپنی ملکاؤں کو تاج شاہی پہناتے ہیں اور جیسا کہ بہت سے قیصر جرمنی کر چکے ہیں ہم بھی اپنی بیگم اور فہیم ملکہ کو تاج پہنانا چاہتے ہیں اور یہ دستور آجتک جاری ہے اس لئے ہمارا خیال ہے کہ کسی شخص کو اس پر اعتراض نہ ہوگا۔ دوم ملکہ کی مندرجہ ذیل خدمات کے صلے میں ہم اور بھی زیادہ اس بات پر مجبور ہیں۔

(۱) پچھلی مسلسل اکیس سال کی خونریز جنگ میں ملک کے اندر امن و امان قایم کرنے میں ملکہ نے ہماری بہت مدد کی۔

(۲) روس کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں جس میں اس قدر باوقعت صلح نصیب ہوئی ہو اور یہ سب ملکہ کے حسنِ مصلحت و تدبیر کا نتیجہ ہے۔

(۳) ہر جنگ میں کیتھرائن نے نہایت خلوص دل اور مستعدی سے ہماری اور سپاہیوں کی دلجوئی کی خدمات انجام دیں اور بارہا نازک موقعوں پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا۔

(۴) کیتھرائن نے دریائے پرت کے کنارے زبردست ٹرکی حملہ کے وقت ہماری تتر بتر فوج کو ایک جا مجتمع کیا اور دفاع کے نئے انتظامات کئے۔

(۵) صرف بائیس ہزار فوج سے دشمن کی کئی لاکھ فوج کو ماسکو سے دور رکھا۔

(۶) اس کی خداداد ذہانت اور ملکی سیاست میں مدبرانہ عملی سرگرمی کی بنا پر ہم آج ماسکو

ہیں اس کا جشن تاجپوشی کرتے ہیں اور اسی موسم بہار سے اس کی فرمانروائی کا دور شروع کرتے ہیں۔

(۵)

اس واقعہ کو مشکل سے ایک سال گزرا ہوگا کہ ایک نیا شگوفہ کھلا۔ یوں تو اسی ایک سال کی مدت میں بہت سے انقلاب رونما ہوئے لیکن خاص بات یہ ہوئی کہ ملکہ نے برسر اقتدار آتے ہی اثر و رسوخ بڑھانا شروع کیا اور رعایا کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کیا۔ وہ تمام بدانتظامیاں جو زار کے زمانہ میں تھیں اس نے ایک ایک کر کے درست کرنی شروع کر دیں۔ رشوت خور حاسد افسروں اور سرمایہ پرست نوابوں کو ملکہ کی یہ مراعات اور اصلاحات ایک آنکھ نہ بھائیں اور بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ زار روس پٹرس کو بھی بدگمانی ہونی شروع ہوگئی ۱۷۲۴ء کے آخر میں تاج پوشی کے ایک سال بعد بادشاہ کو قطعی یقین ہوگیا کہ کیتھرائن کو اس سے محبت نہیں ہے بلکہ وہ خفیہ طور سے پٹرس کے مقرب ہونے کا فائدہ اٹھاتی ہے اور ایک فوجی افسر کے ساتھ خوب داد عیش دیتی ہے۔ پٹرس کی ساری محبت اور لگاوٹیں نفرت اور حسد میں تبدیل ہوگئیں اور وہ انتقام لینے کے درپے ہوگیا۔ اس نے بہت کچھ سازش کیں کہ کیتھرائن کے اقتدار کو خاک میں ملا دے لیکن اتنے بلند درجے پر پہنچنے کے بعد کیتھرائن کو ایک دم نیچے اتار دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بہت ممکن تھا کہ پٹرس اپنے اثر اور سابقہ شاہانہ رعب سے کیتھرائن کو برباد کر دیتا لیکن وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکا کہ جس شخص پر اسے ملکہ کے ناجائز تعلقات کا شبہ تھا اسے قتل کر دیا۔ ابھی پٹرس ملکہ کے خلاف سازش ہی کر رہا تھا کہ کسی سازش سے اسے زہر دے دیا گیا اور ۱۷۲۵ء میں وہ اس جہان فانی سے رخصت ہوگیا۔

بعض مصلحتوں کی بنا پر کیتھرائن نے مناسب خیال کیا کہ بادشاہ کی موت کو چند روز کے لیے مخفی رکھا جائے اور ایک پارٹی قایم کرنے کے بعد اس خبر کو ظاہر کیا جائے۔ چنانچہ سلطنت کے چند طاقتور ارکان مثلاً لارڈ میچی کوفت، آرچ بشپ بلوسکو، وزیر جنگ اور بہت سے دیگر بااثر لوگوں اور اعلیٰ عہدہ داروں کی ایک زبردست جماعت کو اپنا ہم آواز بنا کر کیتھرائن نے بادشاہ کی موت کی خبر ملک میں ظاہر کردی۔ اس خبر سے بہت کچھ چہ میگوئیاں ہوئیں اور تاج وتخت سے متعلق اختلافات اُٹھے مگر تذکرہ بالا بااثر اور برسر اقتدار لوگوں نے متفقہ فیصلہ دیا کہ سوائے کیتھرائن کے کوئی دوسرا شخص تاج وتخت کا وارث نہیں بن سکتا۔ کیونکہ خود آنجہانی پٹرس اعظم نے وصیت کی تھی اور زار روس نے سارے ملک کے سامنے ملکہ کی تاجپوشی کی رسم ادا کی تھی۔ اس لئے مخالف جماعتوں کے حوصلے پست ہوگئے اور کسی کو علم بغاوت بلند کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور سب نے مل کر فرمانبرداری اور اطاعت کا اقرار کیا اور اس طرح وہ مفلس وناچار لڑکی جو تین برس کی عمر میں پادری کے یہاں بچوں کے کپڑے دھوتی تھی اور گھر کے برتن مانجھا کرتی تھی ۱۷۲۵ء میں صرف اپنے حسن اور تدبیر کی بنا پر روس کا تاج سر پر رکھے ہوئے دنیا کے ایک بہت بڑے حصّہ کی فرمانروا بن گئی۔

(۶)

اب کیتھرائن بلاشرکتِ غیرے ساری روسی قلمرو کی واحد مالکہ تھی اور اپنی مرضی سے جو چاہتی کرتی تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی جو سرتابی کی ہمت کرے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے ملک کے بااقتدار لوگوں کی عظمت کو کمزور کیا۔ مذہبی پیشواؤں اور مقتدائے دین کو محض گرجوں اور مقدس کتابوں پر اکتفا کرنے پر مجبور کردیا اور ملکی سیاسیات سے ان کو علیحدہ کردیا۔ روسی امراء اور سرمایہ پرستوں کی مضبوط جماعت اور من مانی حکومت

شہید عصمت

[illegible] قبل حضرت محمد صلعم کا واقعہ ہے۔ قدیم تاریخ روم میں جس وقت روم پر
ایک بیرونی نسل کے بادشاہ ٹارکوئین کا قبضہ تھا اور جس نے رومیوں کو اپنا غلام بنا کر ان کو
خوار کر رکھا تھا۔ روم کا حاکم ایک رومی سردار لکریٹیس تھا۔ اس کی بیٹی کا نام تھا لقرینہ تھا
وہ اپنے زمانے کی حسین ترین شہزادی مانی جاتی تھی اور حسن صورت سے قطع نظر حسن سیرت
و سلیقہ میں بھی طاق تھی۔ اس کی شادی ایک رومی جوان کلاٹیوس سے ہوئی تھی جو اپنی
بہادری کی وجہ سے مقامی فوجوں سے لے کر دشمن کی صفوں تک میں ایک بے مثال جری
اور بے نیاز سپاہی گردانا جاتا تھا۔ اگرچہ ٹارکوئین نے رومیوں کو غلام بنا کر رکھا تھا کیونکہ
لقرینہ اور اس کے شوہر کلاٹیوس سے ٹارکوئین کو کچھ دور کی قرابت داری تھی۔ اس لیے
لقرینہ اور اس کا شوہر ٹارکوئین کے دربار میں دوسرے شہزادوں اور شہزادیوں کے ہم رتبہ
سمجھے جاتے تھے۔ روم کی فوجیں بغاوت کر رہی تھیں اور ٹارکوئین ان کو دبانے کی کوشش
میں تھا۔ قرابت داری کی وجہ سے کلاٹیوس کو رومیوں کے خلاف لڑنا پڑتا تھا۔ ان دنوں
روم سے چند میل کے فاصلہ پر ٹارکوئین نے ایک مضبوط قلعہ کا جس کا نام قلعہ آردیہ تھا محاصرہ
کر رکھا تھا۔ اس مہم میں ٹارکوئین نے اپنے تین بیٹے اور لقرینہ کا جواں سال شوہر کلاٹیوس۔

کی "مجلسِ اعیان" یعنی ہاؤس آف لارڈس کو توڑ دیا کہ اس کی بہت ضرورت تھی اور غریبوں پر ان کے مظالم دیکھ کر کیتھرائن کو اپنا وقت یاد آگیا۔ بڑے بڑے خطاب بیکار کر دیئے۔ پادریوں کا زور زائل کرنے کے لئے مجلس تعلیمات کو نئے سرے سے تقویت دینی شروع کی اور آزاد تعلیم کا دائرہ وسیع کیا علیحدہ اپنی ایک مخفی مجلس قایم کی جس کا اثر رعایا سے زیادہ ان ارکان کی نقل وحرکت پر پڑتا تھا جو رعایا سے وابستہ تھے۔

(۷)

افسوس ابھی کیتھرائن پورے تین سال بھی حکومت نہ کرنے پائی تھی کہ ناگاہ بادفنا کے جھونکوں نے اس کی زندگی کا چراغ گل کردیا اور اس طرح وہی مفلس حسینہ جو ایسے تاریک حالات میں پرورش ہوئی تھی ترقی اور رفعت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر ۱۷۲۷ء میں اس جہان فانی کو خیر باد کہہ گئی۔

لگائے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت یہ چاروں سردار بیٹھے ہوئے خوش گپیاں کر رہے تھے کہ موضوع سخن اس طرف ہوا کہ اپنی اپنی بیویوں کے اوصاف بتلائے جائیں۔

انہیں میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی بیوی کی خوبصورتی اور سلیقہ کی بڑی بڑی ڈینگیں ماریں آخر کار اس کا یقین اس طرح مقرر کیا گیا کہ ایک دن جا کر دیکھا جائے کہ سب کی بیویاں کیا کر رہی ہیں۔ دوسرے روز علی الصباح چاروں گھوڑوں پر سوار ہو کر سیدھے روم پہنچے اور باری باری چاروں نے اپنی اپنی بیویوں کو ایک دوسرے کو دکھایا تینوں شہزادوں کی بیویاں اپنی خادماؤں کے ہمراہ لہو ولعب میں مشغول ہوئی ملیں لیکن جب چاروں نوعمر سردار لُقریشہ کے گھر گئے تو وہ اپنی ہم عمر سہیلیوں کے ساتھ نہایت سادگی اور معصومیت کے انداز میں کپڑے پر کشیدہ کاری کرتی ہوئی ملی۔ اس امتحان میں سب کو یہ ماننا پڑا کہ واقعی لقریشہ چاروں نوعمر خاتونوں میں سب سے زیادہ قابل سلیقہ شعار اور حسین عورت ہے اس اعتراف کے بعد چاروں شہزادے قیصر آردیہ سے گرد اپنے خیموں میں چلے گئے۔

بظاہر یہ معمولی سا مذاق تھا مگر آیندہ چل کر اس ذراسی بات سے لاکھوں جانیں خون کے دریا میں بہہ گئیں۔ بیویوں کے اس مقابلہ سے ایک نیا فتنہ کھڑا ہو گیا۔

ٹاکوئین کا بڑا بیٹا سکسٹوس جو ایک ضدی اور نفس پرست نوجوان تھا۔ لقریشہ کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر اس پر بُری طرح عاشق ہو گیا اور اپنے دل میں ٹھان لی کہ جس طرح بھی ہو لُقریشہ کے حسن اور جوانی سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ ہزاروں ترکیبیں سوچیں مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر ایک حیلہ بنایا۔

دو چار روز کا بھلاوا دے کر ایک دن چپکے سے محاصرے کے پڑاؤ سے نکل کر سیدھا روم پہنچا اور لقریشہ کے مکان پر مہمان ہوا لقریشہ یہ خیال کر کے کہ شہزادہ ہے

بڑے تپاک سے پیش آئی اور نہایت تکلف سے شاہانہ تکمہیم و مدارات کے ساتھ اسے ٹھہرایا۔ رات کو شہزادہ کے ساتھ کھانا کھایا رات گئے تک اپنے خاوند کے متعلق بات چیت کرتی رہی پھر شہزادے کے ہمراہ اُسے اُس کی خواب گاہ میں پہنچا آئی اور پھر اپنے کمرہ میں آکر سو گئی۔

جب رات آدھی سے زیادہ گذر گئی اور سکسٹوس کو یقین ہو گیا۔ کہ سب گھر والے سو گئے ہیں شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے ہوئے اپنے کمرے سے نکلا اور دبے پاؤں جا کے لقریبنہ کے کمرہ میں گھس پڑا آہستہ سے اسے جگایا اور اظہار عشق کرنے لگا۔ اس نے لقریبنہ کو بہت گدگدایا اور محبت کے انداز دکھا دکھا کر اُسے پھسلانے لگا لیکن عصمت وعفت کی دیوی لقریبنہ نے ایک نہ سنی۔ پہلے اس بندہ ہوس کو انسانیت اور اخلاق کا واسطہ دے کر سمجھایا لیکن جب اس پر کوئی اثر نہ دیکھا تو چیخ کر نوکروں کو جگانے کی دھمکی دی اور ناراضگی کے انداز سے اسے اس کے ناپاک ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر سکسٹوس کی نفسانی خواہش اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح راضی نہ ہوا اور برابر اصرار کرتا رہا جس سے لقریبنہ کی نفرت اور بڑھتی گئی حتیٰ کہ اس نے صاف کہہ دیا کہ تم میرے کمرے سے چلے جاؤ ورنہ میں تمہیں نوکروں سے نکلوا دوں گی مجھے یہ خبر نہ تھی تم اس قدر ذلیل ہو تم کس طرح بادشاہزادے کہلاتے تمہارا یہ مرتبہ اور یہ کرتوت" یہ سُن کر سکسٹوس کی آتش غیض بھڑک اٹھی اور وہ طیش میں بولا۔ اچھا اگر تم میرا منشا پورا نہ کرو گی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ لقریبنہ نے کمال بہادری سے جواب دیا۔ تم کو اختیار ہے چاہے میری جان لے لو۔ مگر میں اپنی آبرو نہ دوں گی۔ جان جائے تو بلا سے کم سے کم دنیا میں عصمت فروش اور بے آبرو تو مشہور نہ ہونگی"

سکسٹوس کا دماغ اس کی خواہشات نفسانی کی بدولت نئی نئی راہیں نکال رہا تھا۔

برافروختہ ہو کر اس نے لُقربیتہ سے کہا اگر تم نے مجھے نامراد بھیجا تو میں ابھی ابھی بڑابیہ کے کمرہ میں پڑے ہوئے تمہارے حبشی غلام کو بھی قتل کر دوں گا اور تم کو بھی پھر دونوں کی لاشیں ایک جگہ ملا کر ڈال دوں گا اور شور مچا دوں گا کہ لقربیتہ اپنے سیاہ فام غلام کے ساتھ ہم بستر تھی میں ان کو اس حالت میں دیکھ کر غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا اور دونوں کو غیرت اور بدنامی کے خیال سے قتل کر دیا۔ اس طرح اگرچہ میں اپنی تمناؤں کا خون کر دوں گا مگر تمہارے نام کو بھی قیامت تک کے لیے بدچلنی اور ہوسناکی کا کلنک کا ٹیکہ لگا دوں گا۔ دنیا تم کو ایک ایسی عورت کے نام سے یاد کرے گی جس نے اپنے خاوند کی غیر حاضری میں اپنے غلام سے حرام کاری کی!"

عورت پھر عورت تھی بڑی خواہ کسی قدر فہیم اور زیرک کیوں نہ ہو غرضیکہ لقربیتہ اس دھمکی کو سن کر کانپ گئی اور اپنے انجام کو سوچ کر غیر آمادگی اور مجبوری کی حالت میں بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔

نفس پرست سکسٹوس اپنی خواہشات اور ہوسناکیوں کی تکمیل کر کے لقربیتہ کی عصمت اور عفت کی بھینٹ لے کر اپنے کمرہ میں جا سویا۔ صبح تک لقربیتہ اسی طرح پڑی ہوئی سسکیاں اور سسکیاں بھرتی رہی علی الصباح سکسٹوس کامیابی اور فتحمندی کی شان سے محاصرہ کے کیمپوں میں آ گیا۔

اسی صبح لقربیتہ نے اپنے خسر اور شوہر کو بلا لیا اور جب وہ آ گئے تو بلا کم و کاست رات کی سرگزشت سنا دی اور رونے لگی۔ دونوں کو سن کر بے حد رنج ہوا مگر کیا کر سکتے تھے سکسٹوس سے انتقام لینے کا وعدہ کیا اور شکستہ دل لقربیتہ کو تسلی تشفی دینے لگے۔ وہ انتہائی یاس انگیز انداز میں بولی "خواہ تم اس سے انتقام ہی کیوں نہ لو اور اس کی جان لے ڈالو مگر میری آبرو تو مجھے نہیں مل سکتی" اور یہ کہہ کر اپنے دامن میں چھپے ہوئے خنجر کو نکال کر سینہ میں

پیوست کر لیا اور آن کی آن میں تڑپ کر مر گئی۔

لقریشیہ کا شوہر اور اس کا خسر اس سانحہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً علم بغاوت بلند کر دیا اور ساری قلمرو میں اس واقعہ کو مشہور کر کے سیکسٹوس اور ٹاکوئین کی بدکاری اور بدعنوانیوں کو الم نشرح کر دیا جس سے سارے روم کی رعایا حکومت ٹاکوئین کے خلاف ہو گئی اور لوگوں میں اس قدر جوش و خروش پیدا ہوا کہ وہ لقریشیہ کے خون کا انتقام لینے کے لئے ایوان ٹاکوئین پر چڑھ گئے حتیٰ کہ خود ٹاکوئین کا بھتیجہ بروٹس بھی اس کا جانی دشمن ہو گیا۔ اور اس اخلاق سوز واقعہ سے متاثر ہو کر ٹاکوئین کی حکومت کا تختہ الٹنے اور سکسٹوس کی جان کے درپے ہو گیا۔

آخر بغاوت اور جنگ آزادی کے اس سیلاب میں حکومت ٹاکوئین کے خس و خاشاک فرمانروائی بہ گئے اور شاہی خاندان والوں کو سوائے بھاگ کر جان بچانے کے کوئی تدبیر بن نہ آئی۔

اور ان کے اخراج کے بعد ہی سے روم میں جمہوری حکومت قایم ہو گئی۔ اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو یہی لقریشیہ اس جمہوری حکومت کی بانی تھی جس کی عصمت اور شرافت کی برکت سے اس کی بنیاد پڑی۔

۵۰۹ قبل محمد صلعم میں لقریشیہ ——— شہزادی اور عفت مآب خاتون نے جان دی تھی اور اس کے تین سال بعد ۵۰۶ قبل محمد صلعم میں حکومت روم میں جمہوریت قایم ہوئی اور ٹاکوئین خاندان روم سے ہجرت کر گیا۔

چرواہی ملکہ

اسیر کے شاہی گلہ کے بوڑھے گڈریئے کا رحم پرور دل زور سے اچھلنے لگا۔ جب اُس نے لاوارث بچّی کو ٹوکری میں بلکتے ہوئے دیکھا۔ جونہی اس نے بچّی کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اُٹھایا موٹے موٹے آنسو اس کے گالوں پر بہنے لگے۔ اُس نے بچّی کو پیار کرتے ہوئے اپنے دل میں سوچا: "اولاد کی طرف سے نامراد سمّاس کے لئے ایک تحفہ غیبی، اسے پاکر ہمارا سردار سمّاس کتنا خوش ہوگا۔"

"میرے آقا! ہم نے اِسے جنگل میں ایک بڑے درخت کے سایہ تلے اس ٹوکری میں زور زور سے چیختے ہوئے پایا۔ اور بچّوں سے آپ کی محبّت کو دیکھتے ہوئے میں نے سوچا"

تم نے بالکل ٹھیک کیا۔ میرے دوست! اور تم اس بات کے لئے انعام بھی پاؤ گے کہ تم نے مجھ تک قدرت کا ایک بیش قیمت تحفہ پہونچایا۔"

سمیرامیس ——— جیسا کہ لاوارث بچّی کا نام رکھا گیا حقیقتاً بوڑھے سمّاس کے لئے ایک بیش بہا موتی ثابت ہوئی۔ سمّاس کو کیا خبر تھی کہ یہی چھوٹی سی لاوارث بچّی ایک دن عظیم الشان بابل اور اشوریہ کی مشترکہ بانی ہوکر اپنے زمانہ کی مشہور ترین ہستی ہوئی بڑی ہوکر یہ لاوارث بچّی ایک حسین ترین لڑکی نکلی۔ اُس زمانہ کی دوسری دوشیزاؤں سے قطعی مختلف اُسے گھر میں

بیٹھ کر سینے، پرونے، قصے کہنے اور گرہستی کے دیگر کاموں کی بجائے کھلی ہوا میں سیر، گھوڑے کی سواری، شکار اور پیراکی کا شوق تھا۔ جب وہ اپنے مکان کے سامنے سے گھاس کے سبز میدانوں پر سے ہوتی ہوئی جنگل میں جاتی تو اُس کی مست چمکیلی آنکھیں، مسکراتا ہوا شباب اور روپہلی قہقہے ہزاروں نوجوانوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اُتر کر آرام و سکون کی دنیا کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔ چنانچہ چند ہی دنوں میں شہنشاہ کا معتمد اور بہادر جنیل آوتر اسی لاوارث لڑکی کی زلف گرہ گیر میں ایسا پھنسا کہ اس کے لئے آزاد ہونا تقریباً ناممکن ہوگیا۔ سماس کے مکان پر اُس کی آمد و رفت بڑھ گئی۔ اس کا عندیہ ظاہر تھا۔ سماس کے شبہات دل ہی دل میں بڑھ رہے تھے۔ اس لئے جنرل آونز کی حرم سرا میں بہت سی اغوا کی ہوئی، فریب نظر، حسین عورتیں کافی تعداد میں موجود تھیں وہ بلندی اور امارت کے خواب دیکھ رہا اور چاہتا تھا کہ حاکم اور آقا کا امتیاز سیمرمس کو حاصل ہو۔ اونز کی خاموش درخواست سماس کے لئے ایک ناقابل تردید فرمان ثابت ہوا۔ اور ایک دوسرے سے جدائی کے وقت لاوارث بچّی اور دینی باپ کے گالوں پر گرم گرم آنسو بہنے لگے۔ آخر سماس نے سیمرمس کو گلے لگا کر رخصت کر دیا۔ چند ہی دنوں میں سماس کے تمام شکوک رفع ہو گئے اور سارے خوف دھواں بن کر اُڑ گئے۔ کیونکہ سیمرمس اب بلا شرکت غیرے آونز کی بیوی اور اس کے گھر کی مالکہ تھی۔ گڈریے کے گھر میں پلی ہوئی سیمرمس اپنے نئے شاہانہ ماحول سے ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی۔ اور نہ اُس کے دل میں حرص یا لالچ پیدا ہوا۔ آونز جس نے اب تک اس کے ملکوتی حسن ہی کا مطالعہ کیا تھا اس کی ذہنی اور دماغی صلاحیتوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب وہ وقت کے بہترین مصلحوں سے فوجی بحث کرتا۔ یا بہت میں شکار کرتا۔ یا شاہی اصطبل کے بگڑے ہوئے گھوڑوں کو قابو میں کرتا۔ تو اُسے سیمرمس کے مشوروں پر عمل کرنے سے دلی مسرت حاصل

ہوئی تھی۔ جنگلی گھوڑوں پر سواری کے وقت بھی اونز کو سیمرمس کی یاد نہ بھولتی تھی۔ پھر بھی اونز ایک جرنیل تھا۔ اور ایک جرنیل جانتا ہے کہ ادائے فرض میں اُس کے بادشاہ اور ملک کا حق پہلے ہے۔ باختر کے خلاف محاذِ جنگ پر جانے سے اونز کو اپنی محبوبہ سے جدا ہونا پڑا۔ جس کا اُسے بڑا رنج تھا۔ تاہم سیمرمس نے روانگی کا تمام سامان تیار کر دیا۔ اور گھڑی گھڑی سرد آہوں، گرم سانسوں، اور اُبلتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان ایک دوسرے کو سپردِ خدا کہہ کر وہ جدا ہو گئے۔ سیمرمس کھڑی ہو کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اونز کے گھوڑے کو اس وقت تک تکتی رہی جب تک دور افق کے نزدیک قافلے کا آخری گھوڑا بھی دھول میں حل نہ ہو گیا پھر سارا قافلہ ہی اُفق کی تہ میں ایک سیاہ نقطہ بن کر جھلملاتا ہوا اس کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

باختر کی دفاعی لائن اتنی جلدی اور آسانی سے نہ توڑی جا سکی جتنا اونز کا خیال تھا۔ دو ماہ گزر گئے مگر حفاظتی گرفت کا ایک پیچ بھی نہ ڈھیلا ہوا۔ اونز کو اُلجھن سی ہونے لگی۔

اگر اس کی محبوبہ اُس کے پاس ہوتی ——— "اُسے ہمت دلاتی، اُسے دلاسا دیتی" ——— لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ مگر کیوں نہیں، بادشاہ نینس اس کا دوست ہے شاید وہ اُس کی خواہش منظور کرلے ——— تب وہ اس جیسے ایک درجن باختریوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ لیکن کیا بادشاہ اس کی خواہش پر غور کرے گا؟

بادشاہ نینس بڑا زمانہ شناس تھا اُس نے سوچا ایک تھکے ہوئے جنگجو کو میدان میں اپنی محبوبہ سے بہت کچھ امداد مل سکتی ہے۔ چنانچہ ایک ہی ہفتہ کے بعد سیمرمس میدان

جنگ میں تھی۔ اب سیمرمس نے بحثیں کیں کے دلائل دُہرائیں سے اور ایک آزمودہ کار سپاہی کی طرح اپنے خاوند کو جنگ کے نکات بتانا شروع کیے محض اُس کی موجودگی ہی نتیجہ سپاہیوں کے لئے فتح کا وظیفہ ثابت ہوئی۔ پھر اس کی دلجمعی سے سوچی ہوئی تدبیروں بجراُت آزما مشوروں نے سپاہیوں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دی۔ سپاہی اس کی تجویزوں کو پوری دلچسپی اور مکمل دھیان سے سنتے اور بے اختیار واہ واہ کر اُٹھتے۔ آخر باختر کے ایک مستحکم مقام پر سیمرمس کی سرکردگی میں ایک بہت بڑی فوج نے حملہ کردیا۔ بچاؤ کی فصیلیں اسی جگہ جھپٹیں اور دست بدست جنگ شروع ہوگئی۔ اِدھر لڑائی [illegible] زوروں پر اُدھر گھوڑا سوار سپاہیوں کی تھوڑی سی تعداد کے ہمراہ سیمرمس شہر کے دوسری جانب سے اندر گھس پڑی۔ اس طرح رستہ بن جانے سے برابر بڑاؤ ڈالے ہوئے پیدل جوان بھی سواروں کے پیچھے پیچھے لڑائی میں شامل ہوگئے۔ منٹوں میں شہر پناہ پر سیکڑوں سیڑھیاں لگ گئیں اور فتح کے جوش میں سپاہی بندروں کی سی تیزی سے دوسری جانب کودنے لگے۔ ہر سپاہی تجویز کے عین مطابق کام کر رہا تھا۔ تمام سپاہی جن کے آگے آگے خود سیمرمس تھی شہر میں داخل ہوگئے اور اس نے حکم دیدیا کہ دوسرے دروازے بھی کھول دو۔ تاکہ باہر کی باقی فوج بھی اندر گھس آئے اور قبل اس کے کہ محافظوں کو معلوم ہو کر اُن کی دفاعی تیاریاں کچلی جا چکی ہیں۔ سیمرمس باقی ماندہ فوج کے ہمراہ اُن کے پیچھے پہونچ گئی۔ یکایک مخالف فوج بدحواس ہوگئی۔ اور اس نے بُری طرح شکست کھائی۔ اس کے بعد غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ سیمرمس بے حد مسرور تھی اور اس کے سپاہی بجا طور پر فخر کر رہے تھے۔ لیکن بادشاہ نینس کو نہ فخر تھا نہ خوشی ——————؟

خدا کی پناہ! اُسے حسد تھا۔ اُدھر سے رقابت تھی۔ وہ سیمرمس کی قسمت پر دل ہی دل میں رشک کر رہا تھا۔ کیسا وہ ایک بادشاہ کی بیگم اور تخت کا زیور ثابت

ہو گئی۔ کیسا اس نے اس مقام پر کامیابی حاصل نہیں کی جہاں اس کا خاوند ناکام رہا۔ وہ اسے حاصل کرے گا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا ——— !

اونز سر جھکائے ہوئے بادشاہ کے سامنے کھڑا تھا۔ نیئس کی شرافت نفسی اور فوجی حمیت عقلاً اُسے چھوڑ چکی تھی۔ اونز ایک مرغ اسیر کی طرح کھڑا تھا۔ وہ بے کس تھا۔ اس کا بیش بہا خزانہ اُس کی بیوی، اس کی محبوبہ، اس کی سیمرس اس سے چھینی جا رہی تھی۔ شہنشاہ کی فطرت میں اُس نے اُمید و رحم کی آخری روشنی ٹٹولی۔ لیکن وہاں اُسے سوائے اندھیرے کے کچھ نظر نہ پڑا۔ بادشاہ اپنی ہٹ پر اڑا ہوا تھا۔

"حضور عالی!" اونز نے جذبات سے مغلوب ہو کر گلوگیر آواز میں کہا۔ "صرف اس قدر سوچیے کہ کتنی بڑی قربانی آپ مجھ سے طلب کر رہے ہیں"

بادشاہ نیئس اپنے خیالوں کو عمل میں ڈھالنے کے لئے اسی قدر بے چین تھا جتنا اونز نا اُمید، آخر اُس نے اعتراف کے انداز میں اونز کے چہرے کو گہری نظروں سے پڑھتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں اونز! لیکن میں بذاتہ ایک قربانی پیش کر رہا ہوں۔ میں تمہیں اپنی بیٹی سوسانہ دیتا ہوں۔ اور تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سوسانہ حسین ......"

"لیکن حضور! حُسن ہی سب کچھ تو نہیں ہے۔" اونز نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

بادشاہ نیئس نے غلط مطلب لیتے ہوئے جواہرات سے بھری ہوئی مٹھی اس کی طرف پھیلائی اور کہا "اونز! یہ بھی لاتعداد لے لو، اور یا تو سیمرس مجھے دیدو یا پھر مجھے تمہاری آنکھوں کی پُتلیاں تمہاری پیشانی سے علیحدہ کرانی پڑیں گی۔ اور وہ سوسانہ ......"

جری اونز کانپ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ آنکھیں نکلوانے کی سزا ذلیل ترین تھی۔

جو سنگدل بادشاہ اسے دے سکتا تھا۔ دو ہی دن کے اندر اندر راڈونز نے اپنے پریشان کن خیالات پر قابو پا لیا اور اُس نے اپنے تئیں پھانسی لگا لی۔ کیونکہ یہی ایک ذریعہ تھا جس سے وہ دنیاوی دوزخ سے نجات پا سکتا تھا۔ اُس نے محبت کی قربان گاہ پر اپنی جوانی نچھاور کر دی۔

بغیر اس بات کا خیال کئے کہ ظلم اور جبر سے کی ہوئی شادی میں محبت، خلوص، حتّٰی کہ لحاظ تک نہیں ہوتا۔ بادشاہ نینس نے شادی کے احکام جاری کر دیئے۔

جلوس بڑی شان و شوکت سے نکلا اور لہو و لعب، شور و شغب اور ناچ رنگ کی بھرمار ہو گئی۔ بادشاہ بالکل اُس کا دست نگر ہو گیا۔ اور خود سیمرمس کے ذاتی اثر و رسوخ اور درباری اونچ نیچ میں اُس کا درجہ بلند کر دیا۔ اور جب اُس کے ایک بچہ تخت و تاج کا جائز وارث پیدا ہوا تو آرام طلب بادشاہ پر اُس کی طاقت اور عظمت اور بھی اچھّی طرح مسلّط ہو گئی۔ لڑکے کا نام نیناس رکھا گیا چند دنوں بعد بادشاہ نینس کا انتقال ہو گیا۔

اپنے لڑکے کی اتالیق کی حیثیت سے سیمرمس نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور ملکی ترقی کے لئے بہت سی سیاسی اور معاشرتی اصلاحیں کیں۔

ایک دن جبکہ سیمرمس خوشبودار اور عطر بیز سامانِ آرائش سے خود کو مزیّن کر رہی تھی اور اسیرین عورتیں اُس کے بناؤ سنگھار میں مشغول تھیں اُس کے کان میں کسی نے بھنک ڈال دی کہ بابل میں بغاوت ہو گئی۔ بال بکھیرے اور اپنے سنگھار کو نامکمل چھوڑ کر محل سے باہر کو جھپٹی، اور جلدی جلدی کئی کئی سیڑھیاں ایک ایک قدم میں طے کرتی ہوئی ایک گھوڑے پر سوار ہو کر چشمہ

مخصوص جنگجوؤں کو ہمراہ لے کر بابل کو روانہ ہو گئی۔

اُس کی اولوالعزمی اور فوری کارروائی سے مہینوں کا کام دنوں میں ختم ہو گیا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا فتح پر فتح نصیب ہوتی گئی اور اُس کے سپاہی جوق در جوق آگے بڑھتے گئے۔ مسرت اور کامیابی کے بلند قہقہے اور فتح و نصرت کے فلک شگاف نعرے نینوا کی سرزمین میں پھیل گئے۔ اور ہر شے کو اپنی رو میں بہا لے گئے۔ کچھ ہی عرصہ میں مصر کی طاقتور حکومت نے وسیع کرشہ الفاظ صلح پر دستخط کر دیئے۔

کامیابی کی خوشی اور ایک بہت بڑی سلطنت کے نشہ میں مخمور ہو کر وہ ہندوستان کی طرف بڑھی۔ تین لاکھ پیدل اور ۵۰ ہزار سوار فوج کے ساتھ اُس نے فارس اور افغانستان کو عبور کر لیا۔ لیکن جب اُس نے ایک زبردست فوج کو اپنے مقابلہ پر پایا تو پہلی مرتبہ اُسے اپنی حیرت انگیز تدابیر بیکار ہوتی ہوئی نظر آئیں۔ تاہم بہادر سمیرمس ہمت ہارنے والی نہ تھی۔ وہ ہمیشہ لڑائی کی صف اول میں کھڑی رہتی تھی۔ تا کہ اس کے سپاہیوں کا جوش برقرار رہے اور وہ ہمت نہ ہارنے پائیں۔ وہ بڑی سے بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں اُسی طرح لڑتی آئی تھی۔

ایک لمحہ کے لئے آبدار فولادی تلواریں ہوا میں چمکیں اور اگلے ہی لمحے سمیرمس گھوڑے سے نیچے گر کر خاک و خون میں تڑپ رہی تھی۔ اِس طرح ایک چرواہی نے جو اپنی خوبروئی اور ہمت و استقلال سے طاقت و ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ چکی تھی ایک عظیم الشان سلطنت کے قیام کی خود ساختہ مہم پر اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

توبہ

باسفورس کی بازنطینی حکومت بادشاہ یوستی نیانوس کے عہد میں اپنے شباب تک سمجھی جاتی ہے۔ یوستی نیانوس کے عہد حکومت ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء یعنی پورے ۳۸ برس کے عرصہ میں جو تاریخی اور رومانی واقعات ظہور میں آئے اُن کی مثال شاید ہی کہیں اور مل سکے۔ یوستی نیانوس شروع ہی سے قدرے عاشق مزاج واقع ہوا تھا۔ یہ واقعہ اس کی ولی عہدی کے زمانہ سے متعلق ہے۔

یوستی نیانوس کے باپ نے ولیعہد کی شادی کا انتظام ایک بہت بڑی سلطنت میں کیا تھا اور بات چیت بھی مکمل ہو چکی تھی کہ یکایک ایکدن اس نے تیوودرا کو دیکھ لیا   اور وہ بھی عجیب طرح سے۔ تیوودرا حیوانات کے ڈاکٹر کی لڑکی تھی۔ ماں کو اُس نے آنکھ کھولتے ہی مُردہ پایا   باپ کی شفقتوں کے پانچ سال بھی نہ بیتے تھے کہ وہ بھی راہی عدم ہو گیا۔ کم سن لڑکی نے اپنی زندگی کے دن ایک ہوٹل میں ملازم ہو کر اور برتن مانجھ کر کاٹنے شروع کر دیئے۔ اس کا مستقبل حد درجہ تاریک تھا۔ حصول معاش کی خاطر اسے تمام وہ ذرائع استعمال کرنے پڑے جو ایک خانماں برباد، بیکس لڑکی کو استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ اسی ہوٹل میں گاگا کر اس نے

اتنا رسوخ حاصل کرلیا کہ وہ ایک تماشاگاہ میں ناچنے پر ملازم ہوگئی۔ لیکن وہاں سے بھی وہ منیجر کی ہوسناکیوں سے تنگ آگر عام شاہراہوں پر اپنے پرشباب رنگین اعضا کی نمائش کرکے بازاری رقاصہ کی حیثیت میں پیٹ بھرنے لگی۔ لیکن جس غرض کے لئے وہ اتنے رنگ بدل چکی تھی، اُسے محفوظ نہ رکھ سکی۔ کیونکہ غربت وامارت کے گھناؤنے تعلق نے اُسے ایک نفرت آلود قدم اُٹھانے پر مجبور کیا اور وہ اپنے گوہر عصمت کو زیادہ دیر تک آبدار نہ رکھ سکی۔ نتیجہ کے طور پر چند ماہ بعد اس کی گود میں ایک چاند سی لڑکی ہمک رہی تھی۔ اُسے اپنے کئے پر سخت ندامت تھی۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ وہ اپنی عصمت وعفت کا سرمایہ، سرمایہ داری کے مہیب دیو کی نذر کرچکی تھی۔ جب اس نے اپنے انجام پر نگاہ ڈالی تو وہ لرز اُٹھی۔ اور اپنے گناہ کی نشانی کو کہیں ٹھکانے لگا کر اُس نے اپنی آوارہ زندگی سے توبہ کرلی اور گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر پارسائی کی زندگی بسر کرنا شروع کردی حصولِ معاش کی خاطر اُس نے عورتوں کے کپڑے سینے کی ایک دکان کھول لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے محتاط طرزِ عمل کو دیکھ کر شرفا کی بیویاں بھی اس کی دکان پر آنے لگیں۔ حتیٰ کہ شاہی محل کی خواتین بھی اُس کے کام اور دیانت داری سے اسقدر خوش ہوئیں کہ سب اُسی سے اپنے کپڑے سلواتی تھیں۔

ولی عہد یوستی نیانوس تیوردورا سے ایک مرتبہ کسی قہوہ خانے میں مل چکا تھا۔ اور اس کے دل میں تیوڈورا کی ایک میٹھی میٹھی یاد اکثر چٹکیاں لیا کرتی تھی۔ لیکن تماشاگاہ سے باہر پھر کبھی اُن کی ملاقات نہ ہوسکی تھی۔ بڑھتے بڑھتے تیوڈورا کا خیال ولی عہد کے دل میں اس قدر بڑھا کہ اُس نے کئی سال کی مدت کے بعد ایک دن

پکا ارادہ کرلیا کہ وہ تیودورا کا پتہ ضرور لگائے گا اور اس سے ملے گا۔ اس نے سوچا کہ ملاقات کے وقت کوئی تحفہ بھی ضرور پیش کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ ایک عمدہ زرّیں فراک خریدنے کے لئے بازار گیا۔ مگر جس ساخت اور طرز کا فراک وہ چاہتا تھا کہیں نہ ملا۔ لوگوں نے کہا فلاں جگہ ایک عورت ہے۔ جو شاہی کپڑے بھی تیار کرتی ہے۔ اگر وہ بنا سکے تو بنا سکے۔ ورنہ یہاں اس قسم کا فراک کوئی بھی تیار نہیں کرسکتا۔ یوستی نیانوس تیودورا کے کام کی تعریف اس سے پہلے بھی سُن چکا تھا۔ مگر اب اُس نے نام بدل لیا تھا۔ اس لئے وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ وہی تیودورا ہے جسے اُس نے کیفے میں رقص کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

وہ سیدھا تیودورا کی دکان پر گیا۔ جہاں اس وقت اتفاق سے شہزادے کی منسوبہ بھی اپنی کنیزوں اور سہیلیوں کے ہمراہ موجود تھی۔ وہ سب کی سب اپنی شہزادی کو تیودورا کا سلا ہوا لباس پہنا کر آئینے میں دیکھ رہی تھیں۔ شہزادہ بھی خاموشی سے پیچھے جاکر کھڑا ہوگیا۔ اِس طرح کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ سب کی سب سہیلیاں تعریف کے پُل باندھ رہی تھیں۔ مگر خود شہزادی کہہ رہی تھی کہ "میں ہزار لباس پہن لوں۔ جب بھی تیودورا کے حُسن کا پاسنگ نہیں اور حقیقت بھی یہی تھی کہ محل کی حسین وجمیل رنگین تتلیوں کے درمیان تیودورا ایک نازک گلاب معلوم ہوتی تھی۔ اور اُن سب کا حُسن چاند کے سامنے ستاروں کی مانند پھیکا پڑ رہا تھا۔

شہزادی کے الفاظ شہزادے نے خود اپنے کانوں سے سُن لئے اور وہ ایکدم اندر داخل ہوگیا۔ شہزادے کو دیکھتے ہی شہزادی کی سہیلیوں نے موقع کی نزاکت کو محسوس کیا اور گفتگو کا موضوع بدل کر پھر سے شہزادی کے حُسن کی تعریف شروع

کردی - مگر شہزادے نے اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ مشک عطار کے بتانے کی چیز نہیں - وہ خود بھی تیودورا کے مرمریں حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

تیودورا پر پہلی نظر ڈالتے ہی وہ تخیلات کی دنیا میں کھو گیا - اس نے اپنے دماغ کی عمیق ترین تجوریوں کو کھنکایا ——— اور ایک دم اُس کے سامنے تیودورا کی شکل میں چار سال پہلے کی رقاصہ کی موہنی صورت ناچتی ہوئی نظر آئی - اب اس کے دماغ سے پردہ اُٹھ چکا تھا - دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور کیوپڈ نے مسکرا کر چلّہ چھوڑ دیا۔

ولی عہد نے شہزادی اور اُس کی ہمجولیوں سے ایک لفظ بھی نہ کہا اور تیودورا سے باتیں کرنے لگا - شہزادی کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی ——— اس کے یہ معنی تھے کہ اس کے خرمن اُمید وارمان پر برقِ حفاظت کوند رہی تھی۔

شہزادے نے کہا ——— "مجھے اپنی محبوبہ کے لئے ایک بہترین فراک چاہیئے جس سے میں عنقریب شادی کروں گا" تیودورا نے کہا "بہت اچھا" اور ایک ہفتہ کے اندر اندر لباس تیار کر کے دے دینے کا وعدہ کیا۔

شہزادی کے حواس بجا ہوئے اور وہ خوش ہوئی کہ تیودورا کے حسن کا جادو ولیعہد پر نہیں چل سکا - وہ اپنی محبوبہ اور منسوبہ کے لئے پوشاک سلوا رہا تھا جو خود شہزادی کے سوا اور کوئی نہ تھی - شہزادی شرما کر کنکھیوں سے شہزادے کی طرف دیکھتی ہوئی اپنی سہیلیوں کے ہمراہ محل کو چلی گئی - شہزادہ دیر تک کھڑا تیودورا سے باتیں کرتا رہا۔

ایک ہفتہ بعد فراک سل کر تیار ہو گیا - واقعی تیودورا نے اس میں کمالِ فن کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور لباس منہ سے بولا پڑتا تھا - اپنے کارنامہ کی تعریف سننے کے لئے تیودورا نے شہزادے سے کہا :-

"ولی عہد کی محبوبہ اور ہونے والی بیوی کے بدن پر یہ لباس کتنا بھلا معلوم ہوگا"

شہزادے نے پوشاک کو تیودورا کے بلوریں شانوں پر ڈال کر انھیں ہلاتے ہوئے کہا ——— "اور ہاں وہ محبوبہ تیودورا سے زیادہ حسین نہ ہوگی"

تیودورا کو یوں محسوس ہوا گویا وہ بہشت کے کسی رومانی طبقہ کا خواب دیکھ رہی ہے یکایک اس کی گوری گوری باہیں ولی عہد کی گردن میں حمائل تھیں اور پھر ———

عہد محبت کی پختگی کے لئے شہزادے نے اس عہد نامۂ محبت پر لگاتار مسلسل مہریں ثبت کردیں۔ دوسرے دن ایوان حکومت میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی کہ ولی عہد ایک رقاصہ سے شادی کرنے والا ہے۔ قدیم روایات اور شاہانہ مرتبہ کے لحاظ سے ولی عہد، تیودورا سے شادی نہ کرسکتا تھا۔ مگر یوستی نیانوس جیسا آزاد طبع اور نڈر شخص کب کسی کی بات سننے والا تھا۔ محبت کے عزم و ارادہ میں حکومت کی پابندیاں کبھی حائل نہیں ہوسکیں۔ بلکہ جہاں آمادگی ہوتی ہے فطرت خود رستہ بناتی ہے۔ چنانچہ ایک نیا قانون نافذ ہوگیا جس کی رو سے شاہی خاندان کے ہر فرد کو شادی کے معاملہ میں ذاتی انتخاب کی مکمل آزادی مل گئی۔

شہزادے نے تاج و تخت سنبھالتے ہی تیودورا کو اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا اور ایک کثیف ماضی رکھنے والی کمترین رقاصہ کو بازنطینی حکومت کی ملکہ بنادیا۔ کاسۂ گدائی کی جگہ تاج شاہی نے لے لی۔

ہر نئی چیز انسان میں وقتی دلچسپی پیدا کردیتی ہے۔ لیکن شکر کھاتے کھاتے بھی تلخی معلوم ہونے لگتی ہے ——— جاہ و ثروت، حکومت و سلطنت اور یوستی

نیانوس کی گرم آغوش نے چند سال تک تو تیودورا کو مطمئن رکھا۔ لیکن انسان کا تنوّع پسند مذاق اُسے کبھی ایک حالت پر مطمئن نہیں رہنے دیتا۔

اپنی گزشتہ سیاہ کارانہ زندگی کے دوران میں تیودورا جن عشاق سے ملتی رہی تھی اب پھر نظر التفات کے مرہون ہوئے اور امارت و سرمایہ داری نے پھر تیودورا کی رگ رگ میں عیش و عشرت کی بجلیاں دوڑا دیں۔

دو بھائی میکال اول اور میکال دوم خفیہ طور پر محل میں آتے اور ملکہ اُن سے علیحدہ علیحدہ ملاقات کر کے دادِ عیش دیتی تھی۔ دونوں بھائی مختلف اوقات میں آتے تھے۔ اس لئے ایک کو خبر نہ ہو سکی تھی کہ دوسرا بھی وہاں آتا ہے۔ لیکن ایک دن چھوٹے میکال کو پتہ لگ گیا کہ ملکہ اُس کے بڑے بھائی میکال اول سے بھی ملتی ہے اُسے ناگوار گذرا اور اس نے چند دن کے بعد یہ بھی محسوس کیا کہ ملکہ اس کے بڑے بھائی سے نسبتاً زیادہ التفات سے پیش آتی ہے۔ آخر ایک روز اسے سخت غصہ آگیا۔ کیونکہ ملکہ کئی دن سے بہلانے کر رہی تھی اور ملنے کا موقع نہ دیتی تھی۔ کئی وعدے خالی گئے تھے۔ غصہ میں لال ہو کر میکال دوم سیدھا کمرے میں داخل ہوا اور اس کے ہاتھ پکڑ کر بولا۔" دیکھو یا تو میرے بھائی کی آمد و رفت یہاں بند کر دو۔ ورنہ میں سب راز افشا کر دوں گا۔ یہ کہکر وہ عالم برہمی میں محل سے باہر نکل گیا۔ ملکہ دانتوں کے تلے انگلی دبا کر رہ گئی۔ سوچا کرے تو کیا کرے؟ خیر اس وقت تو خاموش ہو گئی۔ لیکن آخر اُس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ کسی طرح اس زہریلے کانٹے کو اپنے رستے سے ہٹانا چاہئے۔ خواہ ایک چھوڑ دونوں ختم ہو جائیں۔ تاکہ یہ راز افشا نہ ہو جائے۔ آخر اس کے دماغ میں ایک کارگر تدبیر آئی۔ اُس نے اپنی محرم راز خادمہ کو حکم دیا کہ" اگر بڑا میکال آئے تو اُس سے کہدینا ملکہ تم سے نہیں مل سکتیں۔" خادمہ نے ایسا ہی کیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد خادمہ پھر

حاضر ہوئی اور ملکہ کے حضور میں آداب عرض کرکے بولی "ملکۂ عالم میکال آیا ہے"
تیمو دورا نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا ——— "کونسا ؟ - بڑا یا چھوٹا ؟"
خادمہ نے جواب دیا "بڑا" ملکہ نے کہا "اچھا اب آنے دو" وہ
اُٹھی اور اپنے ہاتھ سے چینے کی زنجیر کھول کر اُسے پنجرے میں بند کیا اور خود سمندر
کی جانب کے دریچہ میں مخمل اور حریر کے تکیوں پر لیٹ گئی - اُس کے چہرے پر فکر و تردد
کے آثار نمایاں تھے - ایک کشیدہ قامت بھورے بال اور نیلی آنکھوں والا
خوبصورت نوجوان داخل ہوا یہ بڑا میکال تھا - وہ ادب سے
جھک کر آگے آیا - ملکہ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا - میکال کی جرأت بڑھی اور اُس
نے ملکہ کے ہاتھ کو اپنے لبوں سے لگا لیا - اِس کے بعد دوزانو ہو کر انتہائی ملال کے
انداز میں تیمو دورا سے کہا "میری ملکہ کیا یہ صحیح ہے کہ اب آپ غلام
کی حاضری کو پسند نہیں کرتیں ؟ - اس وقت بھی میں آپ کے ملکوتی چہرے پر
غم کے بادل منڈلاتے ہوئے دیکھتا ہوں"
ملکہ نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا "میکال یہ بات نہیں تمہیں
معلوم ہے کہ میں اپنی پچھلی زندگی میں تمہیں کس قدر چاہتی تھی - اور یہ محبت اب تک
میرے دل میں بدستور موجود ہے - میں نے پوری کوشش اور حکمت عملی سے تمہارے
ساتھ اپنے تعلقات برقرار رکھے - لیکن اب حالات کچھ ایسے ہوگئے ہیں کہ میں
مجبور ہوں اور اپنے اور تمہارے انجام سے ڈرتی ہوں - شاید موت ہمارے
سروں پر منڈلا رہی ہے"
میکال نے ملکہ کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا "ایسی کونسی بات ہے ملکۂ عالم
جس نے غلام کے ساتھ ساتھ میری آقا کی زندگی بھی معرض خطر میں ڈال دی ہے ؟

کیا میں معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ کیا راز ہے جس سے آپ رنجیدہ ہیں؟" تیمور لنگ نے
دارنشا کے چہرے پر لگتا دیکھ کر اور زیادہ پریشانی کے انداز میں کہا۔ "میکال بات یہ ہے
کہ چند دن ہوئے تمہارا چھوٹا بھائی آیا اور کہلا بھیجا کہ میکال آیا ہے میں نے
سمجھا تم ہو گے۔ اس لئے اُسے آنے کی اجازت دے دی ———— اُس نے
مجھ سے کہا کہ وہ میرے تمہارے تعلقات کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ پھر اُس نے اظہار
محبت شروع کیا جس پر میں نے اُسے بہت بُرا بھلا کہا اور محل سے باہر نکل جانے کا
حکم دیا۔ وہ ناراض ہو گیا اور یہ کہہ کر یہاں سے نکل گیا کہ "یا تو مجھ سے تعلقات قائم
کرو اور میکال کو یہاں آنے سے روک دو۔ ورنہ میں سارے ملک میں تمہارے تعلقات
کے راز کا انکشاف کر دوں گا۔" نیز اُس نے یہ بھی کہا کہ "وہ بہت جلد تمہیں موت
کے گھاٹ اُتار دے گا" اور اس کے بعد مجھے مجبور کرے گا کہ میں اُس سے تعلقات
قائم کر دوں۔ لیکن میں یہ ہرگز برداشت نہ کر سکوں گی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ سارے ملک
میں اس خبر کو پھیلا دے گا۔ اس لئے یا تو تم یہاں آنا جانا بند کر دو ———— یا
مجھے تباہی کے غار میں گر جانے دو۔ جلد ہی یہ بات بادشاہ کے کانوں تک پہنچ جائے
گی۔ اس سے جو حالات پیدا ہو سکتے ہیں وہ مجھے پہلے سے دکھائی دے رہے ہیں۔"

میکال نے یہ سنا اور انتہائی غیظ و غضب کی حالت میں تلوار کے قبضہ پر ہاتھ
رکھ کر باہر نکل گیا۔ دوسرے دن رات کے وقت ملکہ کے مخصوص کمرہ میں خادمہ نے
چپکے سے ملکہ کے کان میں کہا ———— "میکال" ملکہ چونک اٹھی۔ اُس نے
پوچھا "بڑا۔ یا چھوٹا؟" خادمہ نے مسکرا کر کہا "ملکہ عالم بڑا" ملکہ نے کہا۔
"ہاں جلد بلاؤ۔ میں تو اس کے متعلق سوچ ہی رہی تھی۔"

میکال اندر داخل ہوا اور ملکہ کے ہاتھوں کو چوم کر بولا "ملکہ! اب آرام

صاف ہو گیا۔ مچھلیاں اُسے کھا چکی ہوں گی۔"

ملکہ نے پوچھا "کیا ہوا ؟" میکال نے فخریہ کہا "میں نے آج اُسے موت کی نیند سلا دیا اور اس کا جسم دریا میں غرق کر دیا۔"

یہ سُنکر ملکہ نے اپنی آغوش وا کر دی اور میکال کے لبوں سے لب ملا دئے جیسے کہ لبوں میں آگ کی سی حرارت پیدا ہو گئی۔

ہیجانِ نفس کی انتہائی کیف انگیزیوں کے درمیان ملکہ کے دل کی آنکھیں کھل گئیں۔ اُس نے میکال کی ہتھیلی پر خون کا ایک دھبہ دیکھا۔ اس کے بعد دوسری ہتھیلی پر بھی اُسے خون کا ایک داغ نظر آیا۔ پھر اُس نے غور سے اس کے بدن، مُنہ اور گردن کو دیکھا اور ہر جگہ اُسے خون کے دھبے نظر آئے حتیٰ کہ عالمِ خیال میں اُسے ساری فضا میں خون کی آلودگی نظر آنے لگی۔ ہزاروں گناہوں اور سنگین جرموں کی مرتکب تیودورا کے سامنے آج اس کے ضمیر نے گناہوں کی بھیانک تصویر رکھ دی اور اُسے اپنی ساری زندگی کی سیاہ کاریاں ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں۔ اُس کا دل اُسے ندامت کے سمندر میں غوطے دینے لگا اور ضمیر لعن طعن کرنے لگا۔ اُسی وقت وہ میکال سے علیحدہ ہو گئی اور اُسے آئندہ محل میں آنے سے منع کر دیا۔

دوسرے دن اُس کے نام ایک خط لکھا جس میں "توبہ خانہ" کا مکمل پروگرام اور تعمیر کا نقشہ تھا۔ پورے چھ ماہ بعد ساحل باسفورس پر "توبہ خانہ" کی عظیم الشان عمارت بن کر تیار ہو گئی۔ یہ عمارت ملکۂ تیودورا کے روپیہ سے تیار ہوئی تھی جس میں بیک وقت پانسو عورتوں کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ جب یہ عمارت بن کر تیار ہو گئی تو ملکہ نے سارے ملک میں اعلان کرا دیا کہ جو عورتیں اپنے گناہوں سے توبہ کر کے عصمت و عفت کی زندگی گزارنا چاہیں وہ اس عمارت

یں مفت قیام کریں اور شرافت و نیک چلنی کی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ ملک کے ہر حصہ سے اُس نے ایسی عورتیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر بلائیں اور اُن کو کچھ دنوں توبہ خانہ میں رکھ کر اُن کی شادیوں کا انتظام کر دیا۔ اِس عمارت کا نام اُس نے "توبہ خانہ" اسی لئے رکھا تھا۔ کہ وہ اُسے اپنی پُر عصیاں زندگی سے توبہ کی نشانی تصوّر کرتی تھی۔ اِس عمارت کی نگرانی میکال کے سپرد کی گئی تھی جو خود بھی اپنے گزشتہ گناہوں سے تائب ہو گیا تھا۔ اور ریاضت کی زندگی گزار رہا تھا۔

یہ سب کھیل کچھ اس منظم طریقہ سے کھیلے گئے کہ بادشاہ یوستی نیانوس کو اپنے ۳۸ سالہ دورِ حکومت میں کبھی شبہ بھی نہ ہوا۔ اور نہ اُسے اِس اَمر پر غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ توبہ خانہ کی تعمیر کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

نیلُ کی ناگنُ

یہ تاریخی کہانی مصر کے چوتھے فرعون کی رومانی شادی سے تعلق رکھتی ہے ————؟

یوں تو ہر فرعون اپنے وقت کا خوفناک ترین انسان تھا۔ جس کے ظلم و ستم کی زہرہ گداز داستانیں آج بھی صفحات تاریخ پر خونیں الفاظ میں لکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ لیکن "امن حوتب" چہارم فراعنہ کی نسل میں ایک امتیازی شان کا مالک تھا۔ اس کی جرأت و شجاعت کے قصے مدت دراز تک مصر کے بچے بچے کی زبان پر رہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا تیر نہیں چلایا جو خطا گیا ہو۔ میدان جنگ میں وہ بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑتا۔ اور آن کی آن میں صفوں کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیتا۔ جب وہ شکار کے لئے نکلتا تو جنگل کے درندوں اور پرندوں میں کھلبلی مچ جاتی۔ کیونکہ وہ سب جانتے تھے کہ آج پنجۂ صیاد سے بچ نکلنا ان کے لئے محال ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دس برس کے عرصہ میں اس نے سینکڑوں مختلف درندوں اور ایک سو بارہ شیروں کا اپنی تلوار سے شکار کیا۔ اسے فتح ممالک کا بہت شوق تھا۔ اور اس کی یہ بھی خواہش تھی کہ لوگوں کو اپنے نئے نئے عقائد

سے مسخر و مسحور کرے اس لئے ہم نے معابد کو مسمار کر کے نئے ہیکلوں کی بنیاد ڈالی، اور اسی وقت سے اس کا نام اختانون ہو گیا۔ وہ اکثر مذہبی جلسے منعقد کرتا۔ جس سے اس کے نئے مذہب کو روز بروز ترقی حاصل ہوتی رہی۔ یہ واقعہ فرعون کی ابتدائی زندگی سے متعلق ہے ——————! اس زمانہ میں اس کی ماں ملکہ ہتی اسکے ہمراہ تخت پر بیٹھتی تھی۔

امن جوتپ اب جوان ہو چکا تھا۔ اس لئے سب کو اس کی شادی کی فکر ہوئی۔ چنانچہ وسیع پیمانے پر انتظامات کئے گئے۔

فرعون اپنی ماں کے ساتھ طلائی تخت پر پوری شان و شوکت سے جلوہ افروز تھا۔ چاروں طرف امرا اپنی اپنی نشستوں پر مودبانہ بیٹھے تھے۔ درباری گویئے رقص و سرود میں مشغول تھے اور محل سے باہر لوگ "فرعون زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے۔

دراصل اس روز شاہ سوریا۔ اور مشرق کے ایلچی فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ دربار انہی کے اعزاز میں منعقد کیا گیا تھا۔ فرعون کی ماں کا خیال تھا کہ اپنی سلطنت کے کسی باجگزار بادشاہ کی لڑکی سے فرعون کی شادی کرے، اور چونکہ سوریا کے بادشاہ کی بیٹی تادورا اپنے زمانہ کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ اسلئے ملکہ ہتی نے اسے شادی کا پیغام دیا۔ شاہی ایلچی تحفے تحائف لے کر حاضر ہوئے اور شاہ سوریا کی طرف سے اس رشتہ کی منظوری کا پیغام دیا۔ فرعون اختانون نے ایلچیوں کا خیر مقدم کیا اور سب لوگ "مبارک سلامت" کے بعد خاموشی سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد محفل رقص و سرود گرم ہوئی۔ مصر کی بہترین رقص کرنے والی نازک اندام دوشیزاؤں نے عجیب انداز سے اپنے حسن و جمال اور فن دلربائی کی نمائش کی

اور دس دس کی ٹولیوں میں فرعون کے سامنے آئیں۔ اور انہوں نے اپنے کمالات کا مظاہرہ ایسے سحر انگیز انداز سے کیا کہ حاضرین مبہوت رہ گئے۔ جب سب کا رقص ختم ہو گیا اور سفید پوش دوشیزائیں تتلیوں کی طرح لوٹ گئیں تو معلوم ہوا کہ ایک رقاصہ باقی رہ گئی ہے۔ جو اپنی ہمجولیوں کے بغیر دربار میں رقص کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اسے فرعون کے حضور میں حاضر ہونے کی دعوت دی گئی۔

پردوں کی اوٹ سے وہ بدر کامل کی طرح نمودار ہوئی۔ اس نے سیاہ لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔ گویا سنگ موسیٰ پر سنگِ مرمر کی مورتی نصب کر دی گئی ہے۔ جب اس نے تختِ طلائی کے سامنے بچھے ہوئے دبیز قالین پر قدم رکھا تو ایک چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح اپنی مرمریں ایڑیوں پر گھوم گئی۔ اسکے بعد اس نے اپنے بازو فضا میں لہرا دیئے۔ اور اپنا وجد آفریں رقص شروع کیا۔ ڈھلان پر بہنے والی ندی کی طرح اسکے ناچ میں زور پیدا ہوتا گیا۔ اور آہستہ آہستہ وہ اپنی جنبشوں میں اس درجہ محو ہو گئی کہ درباریوں پر خود فراموشی کا عالم طاری ہو گیا اور کسی کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوشیزہ اپنی ہر ہر حرکت سے کائنات کو الٹ دینا چاہتی ہے۔ اس کے جسم کے ہر خم سے ایک ایسا ملکوتی سحر مترشح ہو رہا تھا کہ لوگ اپنے آپ کو فردوس آسمانی کی کسی حور سے وابستہ سمجھ رہے تھے۔

جب رقص ختم ہوا تو لوگ اپنے سہانے خواب سے چونکے۔ فرعون کی نیم وا آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں۔ اور اس نے مسرت کے عالم میں حکم دیا۔ "رقاصہ کو سامنے لایا جائے"

رقاصہ کانپ گئی۔ اس نے سوچا شاید میرا رقص شاہ مصر کو ناگوار گزرا ہے۔ اور اب میری خیر نہیں۔ وہ بارہا سن چکی تھی کہ فرعون کس قدر ظالم ہے۔ اور بعض اوقات وہ بلا وجہ دوسرے کو اپنے غیظ و غضب کا کس طرح مرکز بنالیا کرتا ہے" تاہم دہ فرعون

کے سامنے گئی۔ لیکن وہ سرتا پا لرز رہی تھی۔ جیسے بادِ صرصر کے جھونکوں سے بیدِ مجنوں کپکپا اٹھتا ہے۔ اخناتون نے کہا "قریب آؤ"

رقاصہ کو یقین ہو گیا کہ اب جان کی خیر نہیں ہے۔ وہ سہم گئی اور آہستہ آہستہ تخت کی دو سیڑھیوں پر چڑھ کر ٹھہر گئی۔ فرعون نے کہا "اور قریب آؤ" اور ایک بیجان جسم کی طرح وہ نظریں نیچی کئے اور اوپر چڑھ گئی۔ حتیٰ کہ اس کے اور فرعون کے چہرے میں صرف ایک بالشت کا فرق رہ گیا۔

فرعون نے پوچھا "میں نے تجھے اس سے قبل شاہی محفل طرب میں کبھی نہیں دیکھا کیا تو نئی نئی آئی ہے۔

"میرے مالک! مجھے تو یہاں آئے ہوئے کئی مہینے ہو گئے"، رقاصہ نے شرمیلے انداز سے کہا۔

"اچھا!" اخناتون نے تعجب سے پوچھا۔

"کیا تمہیں رقص سے بہت لگاؤ ہے"۔ فرعون نے پھر دریافت کیا۔

"اے آقا! یہ میری زندگی کا سہارا ہے"۔ رقاصہ نے قدرے جرأت سے کہا۔

"کیا تم مصر کے کسی خاندان کی شریف زادی ہو"۔ فرعون نے امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"جی ہاں! آقا"۔ رقاصہ نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر تمہارا نام کیا ہے؟" فرعون نے مسکرا کر پوچھا۔

"نافریتیتی"۔ رقاصہ نے کہا۔

"کتنا پیارا اور کشش انگیز نام ہے "نافریتیتی"۔ فرعون نے محبت سے کہا۔

رقاصہ کی جان میں جان آئی۔ اب اس کے دل و دماغ کے تلاطم میں سکون پیدا ہو چکا تھا۔

فرعون نے رقاصہ کے دونوں گالوں پر ہاتھ رکھ کر اسے سینہ سے قریب کھینچ لیا۔ اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "اے نافریتیتے! تمہارے سر پر شاہی تاج کتنا بھلا معلوم ہوگا؟"

اسکے بعد فرعون و رقاصہ کے دل عشق و محبّت کی سلک گوہر میں منسلک ہو گئے۔ لیکن معاملہ کو طول پکڑتا دیکھکر فرعون کی ماں کو تشویش ہوئی۔ اس نے اختاتون کو علیحدہ بلاکر سمجھایا کہ اس کا یہ اقدام اس معاہدہ کے خلاف ہے جو سوریا کے بادشاہ سے کیا جاچکا ہے۔ اسکے علاوہ فرعون کا ایک رقاصہ سے شادی کرنا موجب ذلّت و رسوائی ہے۔ آخر ایک حسین ترین شہزادی کے مقابلہ میں ایک رقاصہ کی حقیقت ہی کیا ہے؟" اس کی ماں نے اسے اپنے ارادے سے باز رہنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ دوسری طرف کاہنوں نے پیشنگوئی کی ہے کہ نافریتیتے سے شادی کی تو مصر کے دیوتا ناراض ہو جائینگے۔ اور نیل میں ایک ایسا طوفان آئیگا جو حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ کاہنوں کے سردار نے کہا کہ وہ اس ناجائز شادی کی رسم اپنے مقدس ہاتھوں سے ادا نہ کرے گا۔ ان تمام باتوں کے باوجود فرعون کے پاس سب سوالوں کا ایک ہی جواب تھا، اور وہ یہ کہ "نافریتیتے کے حسین سر پر شاہی تاج کس درجہ بھلا معلوم ہوگا" تاہم بوڑھی ملکہ کا بحیثیت ماں اور بحیثیت اتالیق فرعون پر کافی اثر تھا۔ چنانچہ اس نے اثر و رسوخ کو کام میں لاکر ایک ہی ماہ بعد شادی کا انتظام مکمل کر لیا۔ اور فرعون کو سر اطاعت جھکانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

مصر میں ایک عظیم الشّان جشن طرب منعقد ہوا۔ چاروں طرف شادیانے بجائے گئے۔ سلطنت کے طول و عرض میں خوشیاں منائی گئیں، شاہ سوریا کی بیٹی تادو رزرین عماری میں سوار ہو کر قصر فرعون میں داخل ہوئی۔ اختاتون نے اپنی ہونے والی بیوی کا شاہی تزک و

احتشام کے ساتھ استقبال کیا۔ اور اسے اپنی محلسرا میں داخل کر لیا۔ لیکن دل کو کون سمجھائے؟ ضمیر کی آواز خارجی دباؤ سے نہیں مر سکتی۔ فرعون نے تادورا کی شکل و صورت دیکھنے سے انکار کر دیا۔ کئی دن گزر گئے۔ شہزادی روزانہ صبح اٹھ کر رات کی کلیوں کو کسی کے شکستہ جذبات کی طرح سیج پر مسلے ہوئے تنہا دیکھتی آپ ہی آپ سوچ کر رہ جاتی۔ دن ہفتے اور ہفتے مہینے بن گئے۔ لیکن جس مقصد کے لئے اُسے گھر سے یہاں لایا گیا تھا وہ پورا نہ ہوا۔

بادشاہ کسی طرح بھی شاہ سوریا کی شہزادی سے خلوت میں ملنے پر رضامند نہ ہوا۔ آخر اس کی ماں نے بھی جان لیا کہ کسی کے دل پر زبردستی قبضہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس نے شاہ سوریا کے نام اس پیغام کے ہمراہ کہ فرعون بیمار ہے اور اسکی طویل علالت کے باعث ازدواجی تعلقات قائم نہیں رہ سکتے تادورا جیسی حسین جمیل شہزادی کو واپس کر دیا۔

اِدھر وہ روانہ ہوئی اور اُس نے اپنے باپ سے جا کر اپنی داستانِ درد کہہ سنائی اور اُدھر فرعون نے ایک عالیشان محفل طرب منعقد کی جس میں نافرتیتے اور اخناتون کی شادی کا ہنگامہ بپا ہوا۔ اور نافرتیتے کی حسین پیشانی پر شاہی تاج کا ہیرا چمکنے لگا۔ جشن تاجپوشی کے بعد علما میں انعامات تقسیم ہوئے۔ اور کاہنوں کو راضی کر لیا گیا۔

محبت بھرے دو دل جب ملنا چاہتے ہیں تو وہ دیوتاؤں کی مرضی لوگوں کی طعن و تشنیع اور ملک و تاج کا خیال نہیں کرتے۔ لیکن جب وہ مل جاتے ہیں تو سب لوگ خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس وقت بھی دیوتا خوش ہوئے۔ خوب جھینٹیں چڑھیں، بڑے بڑے لنگر جاری ہوئے اور نیل میں بھی کوئی سیلاب نہ آیا۔ نہ ملک پر کوئی مصیبت نازل ہوئی۔ اخناتون بس سال زندہ رہا اور نافرتیتے کے بطن سے اسکے سات لڑکیاں ہوئیں جن میں سے دوسری لڑکی ایک فوجی سردار توتو سے بیاہی گئی جو بعد میں توت فتح کے نام سے ایک زبردست فرعون مشہور ہوا۔ اور جس کے مقبرے کی منہدم منزلیں حال ہی میں دریافت ہوئی ہیں۔

تیرے لئے

وہ برف کی قاش کیطرح مرمریں اور حسین تھی اور اسی طرح سرد اور مردہ۔ گویا ایک بیجان مجسمہ، اس کا نام تھا۔ لیڈی کیتھرین گرے۔ وہ بالکل ناکام اور خاموش تھی۔

اس کی زردی مائل صورت گری ہوئی صحت کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ ایک گھن اُسے اندر ہی اندر کھائے جاتا تھا۔ کسی کی محبت کی گرم گرم مہریں، اپنے کپکپاتے ہوئے جسم کے گرد مضبوط بازوؤں کی حمائل اور حکمران ملکہ الزبتھ کے چبھتے ہوئے الفاظ کے گھاؤ اُسے اندر ہی اندر گھلا رہے تھے۔

وہ حسین تھی خاموش تھی۔ اُسے دغا و مکر سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس کی فطرت میں سادگی اور متانت تھی۔ وہ شریف تھی۔ اسکی محبت اور رواداری کی شہرت عام تھی پھر یہ عالی مرتبہ ملکہ اس کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی تھی؟ اور اپنے اثر و اقتدار کو کام میں لا کر کیوں اسے جیل میں سڑا نے کے درپے تھی۔؟ آخر کیوں؟ کیتھرین لیڈی جان گرے کی دینی بہن تھی جو سکو فولڈ میں مری اور انگلستان کے تخت شاہی پر نظر رکھتی تھی۔ اس لحاظ سے کیتھرین کے دل میں بھی شاہی تخت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا۔ الزبتھ جانتی تھی کہ ناراض ہونے یا کیتھرین کو علیحدہ کرنے سے وہ تخت پر چین سے نہ بیٹھ سکے گی۔ اس کے علاوہ وہ کیتھرین کی شادی کر کے اُسکے بچوں اور خاوند میں بھی وہی جراثیم پیدا نہ کرنا چاہتی تھی جو خود کیتھرین کے دل میں تخت شاہی کے متعلق پرورش پا رہے تھے۔!

(۲)

ایک روز عام کمزوری کے ساتھ ساتھ کیتھرین پر ایک فوری اور سخت بیماری کا

حملہ ہوا۔ اس نے ملکہ سے رخصت مانگی تاکہ اپنے گاؤں ہرٹ فورڈ چلی جائے۔ ملکہ نے بھی سوچا میرے حریف کی صحت خراب ہی ہو چکی ہے، چلو چھٹی پائی۔ چنانچہ اجازت دیدی بعد میں ملکہ الزبتھ اپنے درباریوں کی رنگین صحبتوں میں اس درجہ کھوگئی۔ کہ اسے یاد بھی نہ رہا کہ کیتھرین گرے۔ اس کی رشتہ دار بھی ہے۔ وہ ہر وقت رومانی محفلوں کی زینت بنی رہتی۔ ہنگامہ عیش طرب میں کھوئی رہتی۔ اس لئے کیتھرین گرے کا نام اُسکے ذہن سے اُتر چکا تھا۔ ممکن ہے۔ یہ حالت برقرار رہتی لیکن اچانک ایک روز خبر آئی کہ "کیتھرین ایک بچے کی ماں بن گئی ہے۔

یہ اطلاع ملکہ کے ذہن و دماغ پہ بجلی بن کر گری اور وہ خیالات کی رَو میں بہہ گئی" کتنی بدکار" ملکہ نے نفرت سے آپ ہی آپ کہا "میرا اندیشہ ٹھیک تھا۔ اونچے خاندان کی کیتھرین نے کسی بڑے امیر سے شادی کی ہوگی تاکہ میرے تاج و تخت کے خلاف سازش کرے۔ لیکن اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں کیونکر ڈالی جاسکیں گی؟ معلوم نہیں اس کا دولہا کتنی بڑی عزت کا مالک ہے؟ خیر جو ہوگا دیکھا جائے گا"

تاہم الزبتھ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ اُسے اپنی حریف کو ایک اور طریقہ سے دبانے کا موقع مل گیا۔

میں نے زیادہ اور ذلیل کرکے تاریک کوٹھری میں ڈال دونگی" ملکہ نے سوچا۔ "تاکہ میرا مستقبل محفوظ رہے"

بہر حال کیتھرین ایک اعلیٰ درجے کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی، اس کی نشان و عظمت اور شاہی وقار کا لحاظ لازمی تھا۔ اسی لئے ملکہ نے محض دکھاوے کیلئے عام دربار میں اعلان کیا کہ کیتھرائن کو بچے سمیت شاہی دربار میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ اپنے سکھائے پڑھائے درباریوں کے مشورے سے اُس نے کیتھرین کو دربار میں

طلب کیا۔

(۳)

کیتھرین کی گود میں معصوم بچہ ٹھمک ٹھمک کر بلبلا رہا تھا۔ آنسوؤں کی نہ تھمنے والی لڑیاں اس کی آنکھوں سے رخساروں پر پھسل رہی تھیں۔ وہ ملکہ کے نجی کمرہ میں داخل ہوئی۔ ایک منقش چمکدار اور زرنگار کوچ پر ملکہ باوقار انداز سے جلوہ فرما تھی۔ اُس کے محرم راز درباری اور معزز و مخصوص صلاح کار اس کے گرد حلقہ کئے بیٹھے تھے۔ ملکہ نے حسد اور غصہ کی ایک نگاہ الزبتھ پر ڈالی۔

"رحم۔ اولالعزم ملکہ رحم" کیتھرین نے گڑگڑا کر کہا۔

"رحم؟ اے نابکار رحم؟" ملکہ نے طنز سے کہا "کیا تجھے ایک دوشیزہ ملکہ کے سامنے ایسے سیاہ اور کریہہ جرم کی معافی مانگنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ ہم اپنے تخت کے خلاف سازش تک کے جرم کو معاف کر سکتے تھے۔ لیکن اُس شاہی خون میں گندگی پھیلانے کے جرم کو جو تیری رگوں میں دوڑ رہا ہے کبھی معاف نہیں کر سکتے دور ہو جا میرے سامنے سے اور جیل میں سڑ اکہ جہاں تجھے اپنے گرم خون کو سرد کرنا آجائے گا" لیجاؤ اسے قید خانہ میں

"ایسا نہ کہو عظیم المرتبت ملکہ" کیتھرین نے ملکہ سے گویا اپیل کرتے ہوئے کہا۔ پھر اپنے رخساروں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے اور بچہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جو اس وقت بھی کیتھرین کی باہوں میں ٹھمک ٹھمک کر مسکرا رہا تھا "اس کی خوبصورتی اور معصومیت کی خاطر مجھ پر رحم کر و معزز ملکہ"۔

الزبتھ کا رنگ فق پڑ گیا۔ اُس نے بچے کی جانب دیکھا اور ایک عجیب خیال سے اُس کا دل بیٹھنے لگا۔

ملکہ نے حاکمانہ انداز سے کہا "اچھا اب بتا یہ کس کا بچّہ ہے؟"

کیتھرین نے زچ ہو کر جواب دیا "اب میں کہاں تک چھپاؤں؟ جس کی شان اور بلندی کی وجہ سے تمام نیکیاں بُرائیاں بن گئیں وہ بہادر نیف ارل ہرٹ فورڈ ایڈورڈ سیمور ہے"

اوہ شہدی! کیا تو میرے دربار کے سب سے بہادر اور معزز شہسوار کے نام پر دھبّہ لگانا چاہتی ہے"

"یہ حقیقت ہے ملکہ میں نہ تو شہدی نہ کسی شہدے کی بیٹی۔ میں فرانسس ہارڈن شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے امیر کی بیٹی اور ارل ہرٹ فورڈ کی جائز منکوحہ بیوی ہوں" کیتھرین نے ملکہ کی صحت کیلئے تشریح سے کہا۔

"کیا تو اپنے کو منکوحہ کہتی ہے"

"جی میں نے ایسا ہی کہا تھا"

رنج و پریشانی، نفرت و حسد اور غیظ و غضب کے رنگ ملکہ کے چہرے پر آتے اور اُتر جاتے۔ اُس کے دل میں جذبات کا حشر جاگ اُٹھا تھا۔ اُس نے دربار برخاست کر دیا اور تیزی سے اپنے آرام کمرہ میں چلی گئی۔ اُس کا چہرہ غصّہ سے تمتما رہا تھا۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھیں مشعلوں کی طرح شعلہ زن تھیں۔ اُس کا جسم پُھک رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کی آنکھوں سے بے کسی کے آنسوؤں کا سیلاب اُمنڈ پڑا۔ اُسے ارل ہرٹ فورڈ سے محبّت تھی۔ لیکن ایک جائز اور باقاعدہ شادی کو کسی طرح بھی منسوخ نہ کیا جا سکتا تھا۔ الزبتھ نے ایڈورڈ پر اپنے حسن کا جادو چلایا۔ وہ اندھا نکلا۔ اُس نے

بے حیائی سے اظہارِ عشق کیا! بے سُود۔ وہ اُس کے کانوں میں ذرا بھی رس نہ بھر سکی۔ اُس کی آواز میں ترنّم تھا۔ وہ بہرا ثابت ہوا۔ اُس نے اُس کے باپ کی ضبط شدہ جاگیر اُسے واپس دلائی۔ پہلے اُسے بہادری کا تمغہ دلایا۔ پھر بیرن بھور بنایا اور آخر کار اَرل ہرٹ فورڈ بنا دیا۔ یہ سب عزّت و توقیر آخر کس لئے؟ ارل خیال کرتا ہوگا کہ یہ اُس کا حق تھا۔ آہ! میرے محبوب ہی نے مجھے زخمی کر دیا۔ اب یہ زخم کیا بھر سکتا ہے! ناشکرے بدمعاش نے میرے دل کو ٹکڑے کر دیا۔ اور سب سے توہین آمیز بات یہ ہے کہ میرے ہی حریف سے شادی کی۔ ٹھہر جاؤ میں بھی اُسے مزا چکھاتی ہوں۔

محبّت اور پیار میں لپٹے ہوئے ریشمین دوڑے اب سخت ترین انتقامی کوڑے بن چکے تھے۔

(۴)

کیتھرین کی حراست کے فوراً بعد ہی اَرل ہرٹ فورڈ کے نام شاہی پیغام بھیجا گیا۔ کہ وہ فوراً لندن میں حاضر ہو۔ ارل اپنی بیوی کی گرفتاری کی خبر پا کر افتاں و خیزاں لندن کو روانہ ہوا۔ اور آتے ہی ملکہ سے باریابی طلب کی۔ ملکہ نے اس خیال سے کہ کہیں اپنے محبوب کی مقناطیسی شخصیت کے اثر سے اُس کے فیصلہ میں تزلزل پیدا ہو جائے ارل کو دربار میں حاضری بخشنے سے انکار کر دیا۔ اور اُس کی فوری حراست کے احکام جاری کر دیئے۔ سر ایڈورڈ وارنر کو جو ٹاور کے قید خانہ کا لفٹیننٹ تھا۔ ہدایت کی کہ ارل ہرٹ فورڈ اور لیڈی کیتھرین گرے کو علیحدہ علیحدہ کوٹھریوں میں بند کیا جائے۔ اور اس بات کی کڑی نگرانی ہو کہ وہ ایک دوسرے کے

قید خانے میں نہ جا سکیں۔ ملکہ ابھی تک مطمئن نہ ہوئی تھی۔ اس کی رگوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اُس نے کوشش کی کہ سیمور اور کیتھرین کی شادی کو ناجائز قرار دیا جائے۔ اور ایک ملکہ کے لئے کوئی کام خواہ وہ ناجائز ہی ہو پورا کرنا چنداں مشکل نہ تھا۔

اسٹار کونسل میں آرچ بشپ کنٹربری نے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تعجب یہ کہ دونوں ملزموں میں سے کسی کو بھی صفائی پیش کرنے کیلئے نہ بلایا گیا۔ اور اُس پادری کو بھی شہادت دینے سے منع کر دیا گیا۔ جس نے ان کا نکاح پڑھایا تھا۔ تاہم بشپ کو فیصلہ سنانے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اُس نے کہا "ارل ہرٹ فورڈ اور لیڈی کیتھرین گرے کے درمیان شادی سے قبل ناجائز تعلقات تھے اور یہ بچہ اُسی کا ثبوت ہے چونکہ ارل کا جرم اسلئے زیادہ ہے کہ اُس نے شاہی خاندان کی ایک شہزادی سے ناجائز تعلقات قائم کئے اور شاہی خون کو ملوث کرنے کی کوشش کی۔ لہذا اُسے پندرہ ہزار پونڈ جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اور دونوں مجرموں کو لندن ٹاور میں قید کی سزا دی جاتی ہے"۔

ملکہ نے اپنی انتہائی کوشش سے سیمور کو بھول جانا چاہا۔ اس نے دربار یوں سے بھی یکایک علیحدگی اختیار کر لی اور زیادہ تر تنہائی میں رہنے لگی۔ لیکن اُس کے دل میں محبت کی خلش، اندرونی جلن اور درد کی ٹیسیں پہلے سے بھی زیادہ محسوس ہونے لگی۔ کاش وہ محض سیمور کے دل سے کیتھرین کا خیال ہٹا سکتی۔ کیا وہ ایسا کر سکتی تھی ــــــــــــ؟ اُس نے سنا کہ اُس کے دل سے کیتھرین کی محبت ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ تو کیتھرین کی تکلیف کے خیال سے اپنی بوٹیاں نوچ رہا تھا۔ الغرض سمجھ چاہتی تھی کہ قید خانہ میں سیمور اپنی ہی تکلیف کو

محسوس کیے۔ لیکن سورج کی روشنی اور چاندنی سے محروم دو محبت بھرے دل ایک دوسرے کی یاد میں اُمید کے خلاف امید قائم کر رہے تھے کہ وہ ایک بار پھر ملیں گے مہینوں اسی طرح بیت گئے۔ سرایڈورڈ وارنر جو اپنی مرضی کے خلاف ملکہ کے احکام کی تعمیل کر رہا تھا ایک دن کیتھرین کی کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ مصیبت زدہ کیتھرین کی حالت اُس سے نہ دیکھی گئی۔ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا "خاتون مجھ سے تم لوگوں کی حالتِ زار دیکھی نہیں جاتی۔ تم اس قدر نزدیک ہوتے ہوئے بھی کس قدر دور ہو میں ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رہا ہوں۔

(۵)

بدحمدل لفٹنٹ کی بد قسمتی دیکھئے، عین اُسی وقت ملکہ الزبتھ بھی آپہنچی۔ جب اُس نے ملکہ کو اپنے سامنے ایک لمبے سیاہ نقاب میں کھڑے دیکھا تو اس کا رنگ زرد ہو گیا۔

"فرمائیے ملکہ عالیہ" اُس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"مجھے ارل فورڈ کی کوٹھری میں پہنچاؤ اور اسی لمحہ پہنچاؤ۔"

سروارنر سے انکار کی جرأت نہ ہو سکی اور انکار کرنا گویا خود اپنے حکمنامۂ موت پر دستخط کرنا تھا۔

"مگر ملکہ عالیہ" سروارنر نے خطرہ مول لے کر کہنا چاہا وہ قبل اس کے کہ میں عالی جاہ کو وہاں لے جاؤں۔ آپ ذرا یہاں انتظار کریں۔"

"تم کو ایسی جرأت کیونکر ہوئی" ملکہ نے ڈپٹ کر کہا۔

"اب مجھے معاف کیا جائے عظیم ترین ملکہ میں آپ کی رعایا میں سب سے زیادہ مجرم ہوں" سروارنر نے ملکہ کے سامنے گھٹنوں کے بل پڑتے ہوئے کہا۔

ملکہ کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے "تو اس کے یہ معنی ہوئے

تم نے اُسے بچکر بھاگ جانے دیا" زمین پہ قدم مار کر کہا "بول نمکحرام!"

"نہیں، ملکہ عالیہ! وہ لیڈی کیتھرین کی حراست گاہ میں ہیں"

ملکہ کا غصہ سے تمتمایا ہوا چہرہ غیظ و غضب سے کانپ اُٹھا۔ یکایک اسکے چہرہ پر خوفناک ترین رنگ اُترنے چڑھنے لگے۔ اُس نے پکارا "محافظو گرفتار کر لو اس بدمعاش کو" جیل کے ایک کونے سے دو محافظ بادلِ ناخواستہ نکلے اور ملکہ کو آداب کر کے سردار کو لے گئے۔ کوندتی ہوئی بجلی کی طرح ملکہ تمام برآمدوں اور کمروں سے نکلتی ہوئی کیتھرین کے محبس خانہ میں پہنچی اور ایک طوفانی بگولے کی طرح اندر داخل ہو گئی۔ ملکہ کی آمد سے بے خبر دو محبت کرنے والے دل ایک دوسرے میں حل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ ملکہ ان کو دیکھتے ہی جل بھن کر کوئلہ ہو گئی "اسے فوراً قتل گاہ میں لیجاؤ۔ جلدی کرو" سیمور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈانٹ کر محافظوں کو حکم دیا۔ محافظوں نے جان بوجھ کر دیکھتے ہوئے کہ کیتھرین ملکہ کے قدموں میں آگری ہے۔ اور اپنی قیمتی آنسوؤں سے شاہی قدموں کو دھو رہی ہے۔ ذرا توقف کیا۔

"رحم باعظیم المرتبت ملکہ رحم" کیتھرین نے شاہی پوشاک کا دامن پکڑتے ہوئے کہا۔

"چل یہاں سے قطامہ اس کی سزا مقرر ہو چکی ہے"

"ایسا نہ کہو ملکہ کیا کسی طرح ان کی جاں بخشی نہیں ہو سکتی"

میری دی ہوئی موت کو کوئی نہیں روک سکتا" اُس نے کچھ سوچ کر پھر کہا "یا تیری"

کیتھرین نے آخری الفاظ سُنے اور کہا "تیری موت یا میری؟ ملکہ"

اُس نے ارل کی نگاہ بچا کر اُس کی تلوار لے لی اور کئی بار اُسے ہوا میں تیزی سے گھمایا۔ فضا میں چمک پیدا ہوئی۔ اور قبل اس کے کہ حیرت زدہ محافظ یا خود سیمور اُسے پکڑ سکے۔ اُس نے تلوار کو اپنے سینے میں پیوست کر لیا۔ خون کے فوارے اُڑنے لگے۔ اور آخری بار اس نے مرتی ہوئی آواز میں کہا "تیری موت یا میری ملکہ"۔ پھر اپنے خاوند کے پاس آ کر اُس کا ہاتھ دبایا اور اُسی کی گود میں جان دے دی۔

اُس کے آخری الفاظ اس قدر عبرت ناک اور حسرت انگیز تھے کہ ہر شخص کے آنسو نکل آئے۔ حتیٰ کہ ملکہ نے بھی منہ پھیر لیا۔ ملکہ! میں محبت کی قربان گاہ پر قربان ہو جاؤں گی، مگر سیمور کی شہزادگی میں مخل نہ ہونگی "

آخری وقت ملکہ نے ان کو پاس آنے کی اجازت دے دی تھی۔ ایڈورڈ سیمور کو عمر قید کا حکم دے دیا گیا۔ ملکہ کی موت کے بعد سیمور نے قید سے رہائی پا کر ایک جہربان دنیا پر ثابت کر دیا کہ اس کا لڑکا جائز شادی کی یادگار ہے اور اپنی جاگیر اور جائداد اُس کے نام منتقل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے ساری زندگی اپنے بیٹے کی خاطر یونہی کاٹ دی۔ وہ ——— بیٹا جو ایک بدقسمت جوڑے کی یادگار تھا۔

دِل وَالِیُ

یوں تو بہت سی اسلامی تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ مگر تاریخ معاصم النوادر میں اس بلند ترین ہستی کے حالات زندگی پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہر چند کہ عاصمہ کا سنِ ولادت دستیاب نہیں، تاہم خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے حالات ۶۲۳ء میں ملتے ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام ابتدائی منزلوں سے گزر کر دشمنانِ اسلام کی کج ادائیوں اور ریشہ دوانیوں سے دوچار تھا حضورؐ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس میں نہ معلوم کیا غیبی اسرار تھے۔ کہ ان ہی میں سے ہزاروں لوگ جو توحید کے شیدائیوں کی جان کے لیوا تھے۔ حضور اقدس کے قدموں میں آن پڑے اور صدق دل سے ایمان لے آئے، دشمنوں نے اسوقت کی بھی قدر نہ کی، بلکہ حضورؐ کے تشریف لے جانے کی بڑی بڑی خوشیاں منائیں۔ کہ وہ شخص جوان کی گھریلو زندگی اور دُنیائے سکون و انبساط کو تہہ و بالا کئے ہوئے تھا۔ اب ان کو چھوڑ کر جارہا ہے۔ لیکن آنکھوں کے اندھوں کا یہ خیال بھی دُرست نہ نکلا۔

اور پہلے اگر بیٹا باپ کے خلاف توحید اور رسالت کا اعلان کرتا تھا۔ تو اب گھر کی عورتیں تک کفر سے بغاوت اور اسلام کی دوستی پر آمادہ تھیں۔ گھر گھر حضورؐ کے

تشریف لے جانے پر رونا پیٹنا پڑ رہا تھا۔ حاکم وقت طاغوت نے ہزار کوشش کی لیکن اُس کی جارحانہ تدبیریں بھی کام میں نہ آئیں اور تلواروں کی دھار بھی حق کی آواز کو نہ دبا سکی۔ اسی زمانہ میں قبیلہ بنو عامر میں ایک شخص حارث بن قیس تھا جو حامیانِ اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اسے فرزندانِ توحید سے کچھ ایسا اللّٰہی بغض تھا کہ جہاں دیکھتا جل بھن کر خاک ہو جاتا۔ جہاں کہیں سرفروشانِ اسلام کا مجمع دیکھتا گالیاں دیتا۔ اُن پر خشت باری کرتا۔ اور کئی بار تو اس گمراہ نے رسول اکرمؐ کے قتل تک کی سازش کی۔

مگر خود حارث کی بیٹی عاصمہ غائبانہ طور سے دل میں اسلام پر ایمان لے آئی تھی اور اکثر اس نے دنیاوی تکالیف اور ظالم باپ کی جابرانہ تنبیہوں سے بے نیاز ہو کر اسلام کی تائید کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اس نے قبیلہ کے دوسرے لوگوں کو بھی بارہا رسول اکرمؐ کی ذات گرامی سے متعارف کرانے کی کوشش کی، اُن کے دعوے کی تصدیق اور اُن کے دست مبارک پر بیعت کی تلقین کی۔ وہ اسی طرح خفیہ خفیہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں منہمک تھی۔ عاصمہ بنو عامر کے قبیلہ کی سب سے زیادہ حسین و خوبرو دوشیزہ تھی۔ حسن صورت کے ساتھ حسن باطن سے بھی قدرت نے اسے مالا مال کر رکھا تھا۔ وہ اپنے زمانہ کی قابل ترین ہستی گردانی جاتی تھی۔ وہ اس قدر طباع اور علم و فہم و علم ودیعت تھی کہ تمام قبیلوں میں اس کے علم و فضل، قابلیت و ذہانت کی دھوم تھی۔

ادبی ذوق اس کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔ مذہب کی اُسے دُھن سوار تھی۔ بذاتِ خود اس قدر شیریں کلام شاعرہ تھی کہ لوگ اُس کے کلام کو سُن کر اس کی فطری عکاسی، چست بندشوں، اور بلند تخیل کی داد دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اس

کو جیسا ایسی عالمانہ جد وجہد اور ایسے بلند ادبی مذاق کو دیکھ کر لوگ عش عش کرتے تھے۔ اس نے ایک ادبی مجلس قائم کر رکھی تھی جس کا نام حیفۃ الشاعرہ "رکھا تھا۔ سارے مکہ کی ادب نواز بیبیاں اور علم و ادب کی شائق خواتین اس میں شامل تھیں۔ ہر ہفتہ اس کا اجلاس ہوتا تھا۔ اور ہر ایک کی دماغی کاوشوں کا صحیح جائزہ لیا جاتا۔ کسی فرد کے کلام کو واہ واہ اور ہائے ہائے کے بلند نعروں میں اڑانے کے بجائے خاموشی سے سنا جاتا۔ شاعرہ اپنا کلام۔ یا مضمون نہایت اطمینان اور صحت سے پیش کرتی۔ سامعین دلجمعی سے سنتے۔ اور اس کے بعد اس پر غیر جانبدارانہ تنقید ہوتی۔

ان میں سے اکثر خواتین اسلام کی پیرو تھیں اور اندر ہی اندر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرتی تھیں۔ اکثر اسلامی موضوعات زیر بحث آتے۔ اور اُن کی شمعِ ہدایت میں ایک اور شعلہ بڑھا دیتے۔

ان سب میں عاصمہ حضور انور کے اخلاق حسنہ اور عادات صالحہ کی سب سے زیادہ معترف تھی۔ اور وہ اسی کی تلقین کر کے خواتین کے لئے مشعل راہ پیدا کیا کرتی تھی۔ جہاں تک پختگی ایمان کا تعلق ہے۔ وہ انسان کے ظاہری کردار و مظاہرِ عمل؛ اور بے لوث جد وجہد، قربانی سے اندازہ ہوتا ہے۔ اب تک عاصمہ بھی اسی دور میں تھی۔ لیکن جب حضور اقدس نے ہجرت فرمائی۔ عاصمہ کے دل و دماغ میں ایک ہیجان عظیم برپا ہو گیا۔ وہ خیال اور عمل کے دوراہے پر کھڑے ہو کر راہِ مستقیم کی تلاش کا عزم صمیم کرنے لگی۔ یکایک اس کے دل میں نورِ حقیقت جلوہ گر ہوا اور دلی کیفیتوں سے مغلوب ہو کر اس نے مستحکم ارادہ کر لیا کہ جیسے بھی ہو میں اپنے پاک اور مقدس ارادہ کی تکمیل ضرور کروں گی خواہ اس راہ میں جان بھی چلی جائے۔ مجھے حکومت دنیا اور خاندان کی کوئی

پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ میں تو خدا کے سچے پیغمبر کے قدموں میں جاؤں گی۔ وہی راہ نجات کا راستہ بتائیں گے۔ چاہے میرے جسم کے ٹکڑے اُڑا دیئے جائیں۔ مگر مجھے اپنی روح کا تعلق جسم کی ریشمی و رنگین بندشوں پر ہرگز قربان نہیں کرنا چاہئے۔ ہر چند کہ اس سے قبل بھی اس پیچ فاقوں پہ فاقے ڈالے گئے تھے اور اسے ہر طرح زدوکوب کیا گیا تھا۔ مگر اس بار اسے صاف جان کا خطرہ تھا۔ اور اس کی چنداں اسے پرواہ بھی نہ تھی۔ اُس نے ایک دن موقع پاکر اپنی چھوٹی بہن کو دلی راز سے آگاہ کیا۔ اور اُسے بھی اپنے ہمراہ مدینہ چلنے کی ترغیب دی۔ مگر وہ راضی نہ ہوئی۔ لیکن اس پر بھی عاصمہ کے پائے استقلال میں جنبش نہ ہوئی۔ اور پھر جہاں آمادگی ہوتی ہے راستہ خودبخود نکل آتا ہے۔ ایک تاریک رات جبکہ عاصمہ کے والدین اور خاندان والے کسی شادی میں ایک دوسرے قبیلے میں گئے تھے اور عاصمہ محض اپنے ارادوں کی تکمیل کی خاطر درد سر کا بہانہ کرکے وہاں رہ گئی تھی۔ سیاہ اور خوفناک رات کی چادر میں لپٹ کر وہ سینہ سپر منزل مدینہ پر گامزن ہوگئی۔ رات گئے جب حارث واپس آیا تو اُسے یہ معلوم کرکے کہ عاصمہ بھاگ گئی ہے سخت رنج اور کوفت ہوئی۔ ہزاروں طرح کے خیالات آئے۔ لیکن مزید تحقیقات اور ڈھونڈیا پڑنے پر عاصمہ کی بہن نے اس کا دیرینہ راز سب پر کھول دیا۔ جس نے حارث کی آتش غیظ پر تیل کا کام کیا وہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر اسی دم عاصمہ کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ اسے سخت رنج تھا کہ کوئی اور بھی نہیں خود اس کی لڑکی محمد جیسے باغی اور بت شکن انسان کی باتوں پر ریگی بنی ہوئی ہے۔ وہ یہ سوچ کر چلا تھا کہ اس مرتبہ یا تو عاصمہ کو زندہ ہی نہ چھوڑے گا یا توحید اور اسلام کا بھوت اس کے

سر سے اُتار دے گا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے عاصمہ کو جالیا۔ اور اس قدر زد و کوب کیا کہ وہ بالکل بے دست و پا ان کے رحم و کرم پر پھڑکتی ہوئی واپس مکہ آگئی۔ عاصمہ نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر چھٹکارا نہ پاسکی۔ اور ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کردی گئی۔ اگر وہ تبلیغ اور کلمہ توحید منہ سے نکالنے کی کوشش بھی کرتی تو سفاک چچا اور ظالم باپ مار مار کر کچومر نکال دیتے۔ ہر وقت ہجر رسول میں پڑی روتی رہتی۔ اور مدینہ جانے والوں کو دیکھ دیکھ کر سرد آہیں بھرتی۔ اور اپنی معصوم فریاد سے لوگوں کے دل ہلا دیتی۔ ایسی بپتائیں اور آلام سہے۔ لیکن واہ ری بندی عاصمہ جو ذرا بھی طبیعت میلی ہوئی ہو اور ارادے میں فرق آیا ہو۔

یہ زمانہ اسلام کی تاریخ میں دردانگیز ترین ہے مسلمانوں پر مظالم اور ریشہ دوانیوں کی وہ بوچھاڑ تھی کہ الامان والحفیظ زمین و آسمان بھی کانپ اٹھتے تھے۔ حتیٰ کہ دشمنوں میں بھی ایک ایسی جماعت تھی جو مظلومین سے ہمدردی رکھتی تھی، اور کمزوروں پر بےجا استبداد کے خلاف تھی۔ بلکہ مذہبی اختلافات کے باوجود اپنے اندر ہمدردی اور حمایت کا ایک جذبہ رکھتی تھی۔ مکہ کی گلیوں سے لے کر مدینہ کے قبیلوں تک عاصمہ کی مصیبتوں اور اس پر ظالم باپ کے قہر توڑنے کا چرچا زبان زد خلائق تھا۔

بنی انصار کی اسلام دوستی اور حقیقی خدمت توحید تاریخ اسلام میں سنہری حرفوں میں ثبت ہے اور یہی وہ قبیلہ ہے جس نے حضور کے مدینہ تشریف لانے پر سب سے پہلے پیغمبر اسلام کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ بلکہ خود قدرت نے حضور کے قیام اور خدمت کے لئے انصار ہی کو منتخب فرمایا تھا۔

واقعہ یوں ہے جس وقت رسول اکرمؐ مع رفقا و صحابہ کرام کے مکہ معظمہ سے ہجرت

فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مختلف قبائل اور جماعتوں کی خاصی تعداد حضور کے استقبال کو آئی اور قیام کے لئے مصر ہوئی۔ پیغمبر اعظم کے بلند اخلاق سے کون واقف نہیں کسی کی دل شکنی تو حضور کو آتی ہی نہ تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ کس کو شرف بخشا جائے۔ چنانچہ اسی دم غیب سے آواز آئی اور حضور نے فرمایا " بھائی! تم سب میرے عزیز ہو۔ میرے دل میں سب کی یکساں منزلت ہے۔ کسی ایک خاص شخص کی درخواست منظور کر کے میں دوسروں کی دل شکنی کرنی نہیں چاہتا۔ میں اونٹنی کی باگ ڈور چھوڑے دیتا ہوں۔ یہ جہاں جا کر ٹھہر جائے بس میں اُسی کے یہاں قیام کروں گا۔ سب لوگ رضامند ہو گئے۔ اونٹنی سارے شہر میں پھر آئی۔ لیکن کہیں نہ رُکی۔ آخر گھومتی پھرتی پھر وہیں آ گئی۔ اور بجائے کسی امیر کبیر کی ڈیوڑھی کے سامنے رکنے کے اور کسی قبیلہ کے سردار کے مکان پر ٹھہرنے کے ایک نہایت مفلس اور نیک مزاج فرزند اسلام کے کچے مکان کے آگے رک گئی اور اسی روز سے مدینہ منورہ میں اس تائید غیبی کی وجہ سے قبیلہ انصار کی عظمت سب سے زیادہ بڑھ گئی۔

کچھ عرصہ سے مکہ میں ایک زبردست شامی تاجر عامر بن سہیل آئے ہوئے تھے۔ اُن کی بڑی تعریف تھی۔ ایک عالی شان کوٹھی میں سامان تجارت لگا رکھا تھا۔ مختلف ممالک سے سامان اچھے تبادلہ پر لیتے تھے اور سستے داموں تاجروں کو بیچ دیتے تھے۔ سامان تجارت نہایت اعلےٰ اور کافی تھا۔ خود اس قدر خلیق کہ ایک ہی ملاقات میں لوگوں کا دل موہ لیتے تھے۔ صورت اس قدر پاکیزہ اور حسین کہ معلوم ہو خدا نے آسمان سے ہر صفت سے متصف فرشتہ بھیجدیا ہے۔ عمر بھی مشکل سے اٹھارہ بیس سال ہو گی۔ ایک بڑے شان دار اور عالی شان مکان

میں قیام رکھا تھا اور تاجروں کی بڑی مدارات اور خاطر کرتے تھے۔ عامر بن سہیل کی تجارتی رواداری اور اخلاقی حمایت نے لوگوں کو گرویدہ کر لیا۔ سارے مکہ میں ان کا چرچا ہو گیا۔ غربا کو بہت خیرات تقسیم کرتے۔ سب لوگ ان کی اہلیتوں اور قابلیتوں کے گن گانے لگے۔ ایک دن حارث بن قیس کو بھی عامر بن سہیل کے پاس کسی کام سے جانا پڑا۔ عامر نے حارث کو دعوت دی اور مدارت کی کہ حارث اس کے حسن اخلاق اور پاکیزہ فطرت کا قائل ہو گیا۔ حارث کی جتنی خاطر و مدارات ہوئی آج تک سہیل نے کسی تاجر کی نہ کی تھی۔ نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا۔ سامان سے لدے اونٹ دے دیا۔ خوب خاطر و مدارات کی۔ پرتکلف کھانے کھلائے۔ عزت سے اپنے شاندار مکان میں بٹھایا۔ دوران طعام میں جب حارث نے تعریف کہا۔ صاحب! تو یہ تمام اخراجات اور روپیہ کو پانی کی طرح بہانے کا خیال اچھا نہیں۔ یہ فضول خرچی ہے۔ تم کاروباری آدمی ہو۔ پیسہ کو ہاتھ روک کر اٹھایا کرو۔ سہیل نے جواب دیا۔ آپ کا فرمانا بجا ہے۔ لیکن مجھے تو یہ تمام فضول خرچیاں عین راحت اور خوشی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک سرد آہ بھر کر اس نے کہا۔ آپ ہی بتائیے میں اور کس مصرف پر روپیہ خرچ کروں۔ والد بزرگوار کا سایہ عاطفت عہد طفولیت ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ اب آگے پیچھے کوئی نہیں۔ ایک ضعیف والدہ ہیں۔ آپ کی دعا سے بزرگوں نے کافی سے زیادہ زر نقد اور جائیداد چھوڑی ہے۔ جس کی تمام آمدنی کا واحد مالک میں ہوں۔ والدہ بفضلہ اپنے میکہ کی جانب سے آسودہ حال ہیں۔ انہیں میری ضرورت ہی نہیں کہ میں ان کی مدد کروں۔ اب آپ ہی بتایئے کہ میں دوستوں اور مہمانوں پر خرچ نہ کروں۔ میری ذات کو دولت سے طمانیت حاصل نہیں۔ اس تمام مال کے باوجود مجھے ایک رنج اندر ہی اندر کھا رہا ہے۔ حارث بن قیس نے ایک سالم شامی کباب کو حلق سے اتارتے ہوئے ایک جھٹکا سا لیا اور منہ

اٹھا کر عامر کی طرف دیکھا اور بولا۔ "نصیب دشمناں آپ کو کوئی تکلیف ہے! اور کس فکر نے آپ کو پریشان کر رکھا ہے۔ شاید میں آپ کے کچھ کام آ سکوں۔ کیا آپ مجھے کسی خدمت کے قابل سمجھیں گے۔" عامر نے گردن جھکا کر اپنی جواہر نگار انگوٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی حسرت اور لجاجت کے ملے جلے الفاظ میں کہا۔ "میں عرصہ سے تلاش میں ہوں کہ کوئی ہمدرد سی رفیقۂ حیات مل جائے کہ اب یہ تنہائی کی زندگی دل و انسانیت پر بار ہے۔ اور اس مقصد کی خاطر خواہ تکمیل کے لئے کسی خوبصورت و خوب سیرت دختر سعید اختر کی تلاش میں ہوں لیکن کوئی سلیقہ شعار اور قابل خاتون کا آج تک کھوج نہ لگ سکا۔" حارث نے سر کھجلا کر کچھ توقف کے بعد کہا۔ "اے نوجوان تاجر عامر بن سہیل! میرا خیال اگر صحیح ہے تو تو کسی اعلیٰ خاندان کا فرد ہے۔ میری ایک بیٹی ہے جو سارے ملک میں اپنے حسن اور لیاقت و سلیقہ کے لئے مشہور ہے۔ بلکہ وہ ایک ذہین عالمہ و تیز طبع بھی ہے۔ اگر تم اسے قبول کر لو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آج شام سے پہلے نہ صرف تمہاری پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بلکہ تم اپنے دیرینہ خواب کی صحیح تعبیر پاؤ گے!"

سہیل نے پوری آمادگی کے انداز سے زمین کی تہ کو گھورتے ہوئے ہچکچاتے ہوئے کہا "قبلہ میں آپ کے اس احسان سے تا زندگی سبکدوش نہ ہو سکوں گا اور آپ کی دختر نیک اختر کو اپنے حبالۂ نکاح میں لا کر خود کو انتہائی خوش قسمت انسان سمجھوں گا اور آپ کی اس بندہ نوازی کا تمام عمر ممنون رہوں گا۔ یہ تو کہنے کی بات ہی نہیں کہ ہر دو جانب سے شادی کے جملہ اخراجات غلام کے لئے عین سعادت و افتخار کا باعث ہوں گے۔"

حارث ایک دبی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھا۔ سہیل کی لڑکیوں جیسی شکل پر کسی نامعلوم کامیابی کے تاثرات خوشی اور محبت کے ملے جلے رنگوں میں جھلک آئے۔ دونوں نے مصافحہ کیا اور چلتے وقت حارث نے سہیل سے کہا۔ "اچھا رخصت میرے بچے میرے

معصوم داماد میں کتنا خوش ہوں۔ تم اس قدر معصوم لڑکے ہو کہ میری لڑکی کی طرح حسین
سہیل نے حارث کے ہاتھ چومے اور لاتعداد تحائف کے ساتھ رخصت کر دیا۔ حارث نے گھر جا کر
خوش خبری سنائی۔ عاصمہ کے خرمنِ اُمید و ثمر استقلال پر برق خاطف کوند گئی۔ وہ
کس طرح اپنے ارادوں میں کامیاب ہو سکے گی۔ وہ حضورؐ کے قدموں میں کس طرح
پہنچے گی۔ وہ تو کسی مسلمان کی بیوی بننا چاہتی تھی۔

حارث اور سہیل کے درمیان صبح دس بجے یہ گفتگو ہوئی اور ۶ بجے شام کو سہیل
کے عالی شان مکان میں شادی کا جشن منایا جا رہا تھا۔ مکان کے اندر ایک طرف
عاصمہ دلہن بنی بیٹھی تھی۔ اور اپنے تاریک مستقبل پر آنسو بہا رہی تھی۔ سہیلیاں تھیں
کہ گھونگھٹ میں منہ ڈال ڈال کر چھیڑتی تھیں سہیل کی حسن و جوانی کی ہزاروں داستانیں
اُسے سنائی جا رہی تھیں۔ بچے شور مچا رہے تھے۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی
تھی۔ مکان کے باہر نشست میں امرا و عمائدین پر تکلف صوفوں پر
بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ نفیری ہلکے سُروں سے ہزاروں شادیانوں کو مات کر رہی
تھی۔ ایک طرف سہیل سہرا باندھے، گاؤ تکیہ سے لگا، رومال مُنہ سے لگائے،
نہایت ادب کے ساتھ بیٹھا تھا۔ شادی کی رسوم ادا ہونے کے بعد مہمان اپنے
اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے اور عاصمہ کی سہیلیاں اس کے گدگدیاں
کرتی ہوئی اور زور زور سے خدا حافظ کہہ کہہ کر کافوری شمعوں کی نورانی روشنی سے بقعۂ نور
کمرہ میں اُسے تنہا چھوڑ کر چلی گئیں .... کمرہ میں جوہی کے پھول ایسی مہک
پھیلا رہے تھے کہ انسان .... عرصہ کی تکالیف، پھر اس ہنگامہ کی تکان۔ عاصمہ بیٹھے بیٹھے
ہی نیند کی آغوش میں خود غافل ہو گئی۔ رات گئے سہیل آیا۔ عاصمہ کو سوتا دیکھ کر جگانا مناسب
خیال نہ کیا اور وہ بھی پڑ کر سو گیا۔

اسی طرح چند روز گزر گئے اور عاصمہ کو یہی محسوس ہوا۔ گویا اُس کی شادی ——— بلکہ نکاح ہی نہیں ہوا۔ وہ یا تو کنواری ہے۔ یا بیوہ ——— نہیں اسے ایسا نہیں کہنا چاہیئے ——— نہیں اس کی شادی نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ ایک سونے کی تیلیوں کے پنجرے میں بند کر دی گئی ہے۔

چند روز اور رک رہ کر سہیل نے شام جانے کا ارادہ کیا اور مع اپنی قابل دلہن عاصمہ کے شام کو روانہ ہو گیا ——— کیا یہ شام ہے۔ عاصمہ نے دریافت کیا ——— نہیں مدینہ ہے۔ عاصمہ کے بدن میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ ہائیں! یہ مدینہ ہے؟۔ میرے آقا، میرے سرتاج، حضرت محمد صلعم یہیں ہیں؟" ہاں" سہیل نے جواب دیا۔ عاصمہ کو حضور سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔

ایک سہانی رات ——— برسات کی رات۔ بارش ہو چکی تھی گھٹا کے بعد صاف مطلع بھی بڑا پرسکون تھا۔ سماں خاموش اور آسمان سے نور برس رہا تھا۔ کہیں کہیں بادل کا کوئی آوارہ ٹکڑا اپنے ہم جنس کی تلاش میں آسمان کے سینہ پر گھومتا پھر رہا تھا۔ چاند کئی دن کے بعد گھبرا کر ایسا بادلوں کو چیرتا پھاڑتا نکلا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر ہی آ کر دم لے گا۔ کھانا کھا کر سہیل اور عاصمہ ٹہلتے ہوئے اپنے باغیچہ میں سیر کو نکل گئے۔ مکان کے عقب میں لمبی لمبی کھجوریں فصیل پر جھکی کھڑی تھیں۔ پکی ہوئی کھجوروں کے گچھے کے گچھے فصیل پر لٹک رہے تھے۔ عاصمہ اور سہیل فصیل پر پاؤں لٹکائے ایک دوسرے کے پاس بیٹھے تھے۔ سہیل نے ایک نرم سی کھجور توڑ کر عاصمہ کے منہ میں ٹھونس دی۔ عاصمہ نے آمادگی اور نرمی کے انداز سے اپنا سر سہیل کے شانہ سے لگا دیا۔ سہیل نے اس کا خوبصورت سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور اس کے سنہری بالوں میں انگلیوں سے کنگھی

کرنے لگا۔

عاصمہ بھی کبھی ماہ کی پھیکی اور بے کیف زندگی سے تنگ آ چکی تھی اُس نے جرأت سے کام لیا۔ باوجود کہ نسوانی حیا نے بہت کچھ دامن پکڑا مگر یہ بات انسانیت، غیرت نسائیت پر غالب آ گئی اور اُس نے بڑی دھیمی آواز سے سہیل سے کہا "پیارے سرتاج! ویسے تو آپ کی ہر طرح عنایت ہے اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ خدا ہر لڑکی کو ایسا دلجوئی کرنے والا اور محبت والا شوہر دے۔ لیکن ———— کیا کہوں آپ مجھ سے ناراض ہیں"۔ سہیل نے نقشِ مضمون کو تاڑتے ہوئے کہا۔

عاصمہ سچ ہے۔ لیکن میں تم سے ناراض نہیں۔ میں آج کل تمام حال تم کو بتاؤں گا۔ اُسی دن شام کو وہ حضور پر نور صلعم کے دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور کو وحی نازل ہوئی۔ "ہم تمہارے پاس ایک "دل والی" خاتون بھیج رہے ہیں۔ تمہاری اُمت کے دل ایسے ایسے بھی ہیں ————!"

حضور نے ان دونوں سے کیفیتِ حال دریافت کی۔ سہیل نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ آقا میں سے آقا مختصر حال یہ ہے کہ یہ خاتون میری منکوحہ بیوی ہے۔ اس کو مجھ سے کچھ شکایت ہے۔ حضور نے عاصمہ سے دریافت کیا۔ لیکن اس پر تو اُس وقت مذہبی تقدس اور آنحضور کی عظمت و بزرگی کا عنصر غالب تھا۔ پھر کچھ نسوانی حیا کا پاس بھی! سہیل نے خود ہی کہا۔ حضور! اسے مجھ سے شکایت ہے کہ میں ایک شوہر کی حیثیت سے اس کے جائز حقوق کو پورا کرنے سے گریز کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ اس بات سے خدا ناراض ہوتا ہے شامی نوجوان۔

سہیل نے عرض کیا۔ حضور حقیقت میں یہ میری بہن ہے۔ میں اس کا شوہر نہیں عاصمہ نے ایک دم اچنبھے میں اوپر کو سر اُٹھایا ———— اسے سہیل کی شکل میں زنانہ

شوخیاں ناچتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ حضورؐ نے سہیل کو حالات بیان کرنے کے لئے کہا۔
سہیل نے کہنا شروع کیا۔ "آقائے نامدار میں حضورؐ کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں اور مدینہ کے امیر کبیر سردار رافع بن مالک کی لڑکی ہوں۔ میرے دل میں حضورؐ کی محبت شروع ہی سے بہت ہے۔ میں نے جب عاصمہ کا حال سنا کہ اس کے دل میں حضور کی محبت اس قدر ہے تو مجھے اس سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ جب اس پر توڑے ہوئے سینکڑوں مظالم کا حال میں نے سنا تو سرکار اقدس آخر میں بھی "دل والی" ہوں اور دل بھی خدا کے بچے دین اسلام کی محبت سے بھرپور، میں ایک شامی سوداگر کا لباس پہن کر گئی اور عاصمہ سے شادی کر کے اسے کفر کی تاریکی سے نکال لائی۔ کنیز کا نام نفیسہ ہے۔" عاصمہ نے نفیسہ کی جانب شک کی نگاہ سے دیکھا ——— نفیسہ نے عاصمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ایک انصاری کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ حضور اقدس نے انصاریوں کو قابلِ اعتماد سمجھا ہے" اور پھر رسول اکرم سے عرض کیا۔ "حضور! عاصمہ سہیل کے نفیسہ ہونے میں شبہ کر رہی ہیں۔" یہ کہتے کہتے اس نے عمامہ اُتار دیا۔ سُنہری مائل لمبی لمبی لٹیں شانوں پر پھیل گئیں۔ حضورؐ اس قصہ سے بہت متاثر ہوئے اور نفیسہ کو بلند مرتبہ دے کر ایک صحابی کے ساتھ منسوب فرما دیا۔ عاصمہ کے دل پر اس واقعہ کا کچھ ایسا گہرا اثر ہوا کہ وہ کچھ دن حضورؐ سے تعلیم حاصل کر کے گاؤں میں چلی گئی۔ اور دیہات دیہات اسلام کی تبلیغ کرتی رہی۔ اور گنواروں میں ملنے جلنے اور ان میں اثر پیدا کرنے کے لئے ان ہی کے رنگ میں رنگ گئی۔ ان ہی کے سے سیدھے جھوٹے کپڑے پہننے لگی اور معمولی کھانے پر گزر اوقات کرتی۔ دن رات اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کی پابندی

اور اشاعتِ اسلام میں لگی رہتی اور اسی طرح مذہب کی راہ میں خدمتِ خلق اور اشاعتِ دین میں عمر کاٹ دی۔

کئی بار اس سے شادی کی درخواست کی گئی۔ لیکن اس نے یہی جواب دیا۔ "حقیقی شوہر خدا ہے اور اس سے بہتر شوہر مل نہیں سکتا۔ اس لئے دنیاوی بندشوں اور نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر انسان بے سود روح کے پاکیزہ تعلق کو جسم کے رنگین جال میں پھانسے۔ کیسا شوہر اور کیسی شادی اُسے تو پیدا ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ شمع اسلام کی روشنی کو دنیا کے دور دراز گوشوں میں اجاگر کرے۔ اور اس نے ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں ______ گمراہ، مکروہ اور گھناؤنے۔ تاریکی میں کلبلائے ہوئے مکوڑوں کو حلقہ بگوش اسلام کر کے اُن کی عاقبت سنبھال دی۔ لیکن یہ سب کس کی بدولت ؟۔ واہ رے نفیسہ! حقیقت میں وہ "دل والی" تھی۔ کیا اب بھی کسی ہندوستانی مسلمان خاتون میں اتنی جرأت ہے ؟۔ اس قدر اسلام دوستی ہے ؟؟۔ کیا اب بھی کوئی ایسی "دل والی" ہے ؟؟؟۔

دو عورتیں

شام کی اس اداس زردی مائل چتور گڑھ کے کچے قلعہ کی دیواروں پر بڑی بے کیفی سے کف افسوس مل رہی تھی۔ ہوا میں پتوں کی سرسراہٹ ایک ہی وقت میں راجپوتوں کے کارناموں اور شکست کا ماتم اور شہنشاہ اکبر اعظم کی فتح کے نقارے بجاتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ چتور گڑھ کے باہر اکبر کا خیمہ لگا ہوا تھا۔ دونوں وقت مل رہے تھے اور دن کی گھمسان لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ اگرچہ کہنے کو میدان اکبر کے ہاتھ رہا تھا۔ مگر اصل میں اکبر کی لا تعداد فوج اور بے شمار اسلحہ کی وجہ سے مٹھی بھر راجپوت اپنی جانیں چٹان سے سر مار مار کر ختم کر گئے۔ بہادری۔ فن سپہ گری اور مقابلہ کی چوٹ سے زیادہ اس لڑائی کا انحصار تعداد پر تھا۔ راجپوتوں کا نوجوان سردار نڈر دل مغلوں میں اس طرح تلوار چلا رہا تھا گویا جھوم جھوم کر خوشی میں بنٹی کے کھیل میں مشغول ہے جس کا اکبر کو بھی اعتراف تھا وہ اُس نوجوان کی شکل وصورت اور شجاعت وجوانمردی اب تک نہ بھولا تھا۔ ابو الفضل جو اکبر کے ہمرکاب تھا اُسے بھی کم تعداد راجپوتوں کے اس شان سے لڑنے پر بے حد تعجب تھا کیونکہ راجپوتوں کو معلوم تھا کہ اس بے پناہ فوج کے آگے مقابلہ کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ لیکن واہ رے شیر دل راجپوت ایک ایک

کٹ گٹ گیا تھا مگر قبضہ پر سے ہاتھ نہ ہٹتا تھا۔ حالانکہ ہاتھ پر ضعف کا قبضہ تھا۔ یوں میدان مارنے کو بہت سی مہمیں اکبر نے سر کیں۔ مگر ایسے جی دار سپاہیوں سے کب واسطہ پڑا تھا۔ اس فتح کو کوئی بھی فتح نہیں کہہ سکتا۔ ایسی شکست پر لاکھ فتحیں قربان ہیں

اکبر اعظم اپنی فرودگاہ میں بیٹھا ہوا ابوالفضل سے بات چیت کر رہا تھا کہ یکایک دور سے بڑی سُریلی لے میں گانے کی آوازیں گونجنے لگیں مغل بادشاہوں کے فن موسیقی کے شوق سے کون واقف نہیں۔ فوراً خادم کو بلایا گیا اور دریافت کیا گیا کہ "یہ گانے کی آواز کہاں سے آتی ہے" خادم نے کہا۔ جہاں پناہ دو ہندو فقیر گاتے ہوئے آئے ہیں۔ بارگاہ عالی میں باریابی پر مصر ہیں۔ میں نے ہزار ٹالا۔ مگر وہ کسی طرح نہیں ملتے۔ نہ اپنا نام و پتہ بتلاتے ہیں کہتے ہیں شہنشاہ کے رو برو ہی اپنا حال و کیفیت بیان کریں گے میں نے اُن پر زیادہ دباؤ اس لئے نہیں دیا کہ جہاں پناہ کا حکم ہے کہ مغنیوں اور فقرا سے زیادہ سختی نہ برتی جائے" اکبر نے حکم دیا "اچھا انہیں اندر پیش کرو۔ دیکھیں کیا کہتے ہیں" اُسی وقت ابوالفضل نے از راہ ہمدردی بادشاہ کو مشورہ دیا کہ "ان فقیروں کی آواز اور بارگاہ میں شرف نیاز پر اصرار ظاہر کرتا ہے کہ ان میں مکر کی بو ہے۔ دوران جنگ میں ہر کس و ناکس کو اس طرح بلا روک ٹوک شرف ملاقات بخشنا خطرہ سے خالی نہیں" بادشاہ نے ابوالفضل کا کہنا نہ مانا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "جس طرح نیکی سے نیکی پھیلتی ہے۔ اعتبار سے اعتبار بڑھتا ہے۔ چور کو رکھوالی پر رکھو تو پھر کبھی چوری نہ ہوگی۔ اسی طرح دشمن پر اعتبار کرنے سے وہ خطا نہیں کر سکتا۔ یہ بات بہت آزمودہ ہے۔ اور اس میں کبھی دھوکہ نہیں ہوتا"

چنانچہ فقیر حاضر ہوئے۔ اُن میں سے ایک فقیر نے آتے ہی بادشاہ کو غور سے

دیکھ کر دعا دی "شہنشاہ پر خدا کا سایہ ہو اور سدا عیش و عشرت سے پھولے پھلے"۔
اکبر نے دریافت کیا "سائیں آپ کون سے ملک سے آئے ہیں"۔ فقیر نے کہا
"جب کبھی دیس تھا۔ دیس بھی چھٹا۔ اب تو جگہ جگہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ نہ کوئی
دیس نہ بدیس۔ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور اسی میں در در بھٹکتے پھرتے ہیں۔
جہاں بیٹھ گئے وہی گھر"۔ اکبر نے پھر پوچھا "یہ فقیری آپ نے کب سے لی ہے؟
اور یہ گیروا کپڑے کب سے زیب تن کئے؟" فقیر نے جواب دیا "بابا سدا سے ایسے ہی ہیں جب
پرانے کپڑے پھٹ گئے نئے پہن لئے"۔ "آپ کے بیوی بچے ہیں؟" اکبر نے پوچھا۔ فقیر نے جواب
دیا "بابا فقیروں کو ان دنیا کے بکھیڑوں کی کیا ضرورت ہے"۔ اکبر نے پھر پوچھا "مجھ سے
ملنے کی کیا ضرورت تھی؟" فقیر بولا "سنا تھا کہ شہنشاہ اکبر فقیروں اور گدایوں کے پالنے
کیلئے بڑی مدد دیتے ہیں اس لئے کچھ خیرات لینے کیلئے حاضر ہو گئے"۔ دوسرے فقیر نے بھی کہا "سنا
تھا کہ اکبر اپنی رعایا کی بڑی مدد کرتے ہیں۔ اسی لئے اس نیک اور منصف بادشاہ کی زیارت مرنے
سے قبل ہو جائے تو اچھا"۔ اس پر ابوالفضل نے معنی خیز نظروں سے فقیروں کی طرف دیکھ کر کہا
"کیا تم لوگوں کو معلوم تھا کہ تم جلد ہی مرنے والے ہو جو آج ہی جہاں پناہ کے دیدار سے شرف
سعادت حاصل کرنا چاہا؟" پہلے فقیر نے سنجیدگی سے جواب دیا "موت کے لئے کوئی وقت اور مدت
متعین نہیں"۔ اکبر نے کہا "واقعی انسان کو موت کے لئے ہر وقت چشم براہ رہنا چاہئے"۔ فقیر
نے کہا "ہاں جب کپڑے کا بانا اتارا جا سکتا ہے تو مٹی کے بھیس بدلنے میں کیا دقت ہو سکتی
ہے"۔ اکبر نے اشتیاق بھری نظروں سے پوچھا "ہاں۔ یہ تو بتاؤ یہ پدیوں کے رس میں دھوبوں کی سی پاٹ
دار آواز کے راگ کہاں سے سیکھے۔ ایسے گانے تو ہم مہاراج تانسین سے بھی نہ سنے تھے"۔ فقیر
نے کہا "مہاراج! یہ سب آپ کے دربار کی تانیں ہیں۔ ورنہ ہم گانا کیا جانیں"۔ ابھی
گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ حاجب نے ایک سر بہ مہر لفافہ بادشاہ کی خدمت میں پیش

کیا۔ ابوالفضل نے اُس کو فارسی میں پڑھکر سنایا۔ بادشاہ نے حاجب سے کہا۔ "عبدالکریم کہاں ہے اُسے پیش کرو" جب عبدالکریم اندر آیا دونوں فقیروں نے ایک دوسرے کو پرمعنی نظروں سے دیکھا۔ اُن کے انداز میں ایک قسم کی جھجک اور شرمندگی سی جھلکتی تھی۔ اکبر نے اس کیفیت کو تاڑتے ہوئے فقیروں سے کہا "سادھو ایسا معلوم ہوتا ہے تم نے اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے اور تم اس سے واقف ہو۔ بتاؤ تمہاری اس سے کس سلسلہ میں ملاقات ہے" فقیر نے کہا "اس بھری دنیا میں ہزاروں سے مڈبھیڑ ہوتی ہے کس کس کو یاد رکھا جا سکتا ہے کہ کب اور کس طرح دیکھا۔ ہاں اگر اس شخص کا وعدہ اس کی شکل کی طرح پختہ ہوا تو آپ کی تمام باتوں کا جواب خود بخود مل جائیگا" اتنے میں باہر شور و غل کی آواز بلند ہوئی۔ ابوالفضل نے حاجب کو بھیجا کہ جلد جا کر معلوم کرے کہ یہ شور کیسا ہے۔ حاجب نے آکر ابوالفضل کو مطلع کیا کہ ایک راجپوت جو مسلمانوں کے لباس میں شاہی خیمہ کے پاس چکر لگا رہا تھا سپاہی اُسے پکڑ کر لا رہے ہیں تاکہ جیسا حکم شاہی ہو اس پر عمل کیا جائے"

سپاہی پرتاب سنگھ نوجوان راجپوت کو پکڑ کر خیمہ میں بادشاہ کے روبرو لے آئے۔ اکبر نے اس سے پوچھا "تم کون ہو؟ اور یہاں کس لئے چکر لگا رہے تھے؟"

ابوالفضل نے کہا "اچھا آپ کو جاسوسی سے شوق ہے۔ بہتر ہوتا کہ آپ پہاڑ کی چوٹی سے شاہی خیمہ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے رہتے"

پرتاب سنگھ نے کہا۔ میں کون ہوں یہ میری تلوار سے معلوم ہو سکتا ہے اور کیوں آیا۔ یہ کسی راجپوت کے متعلق دریافت کرنا قطعی جہل ہے" اکبر نے دریافت کیا "کیا تم ان فقیروں کو جانتے ہو؟" پرتاب نے ترش روئی سے کہا "میں دہلی کے دربار سے تنخواہ نہیں پاتا۔ میں تو تخت کے مالک کی جان کا دشمن ہوں۔ میں ہر بات کا جواب دینے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا" اکبر نے دھمکی سے کہا۔ تم کو اپنی جان پیاری ہو تو سب حال ٹھیک

ٹھیک بیان کرو"، پرتاپ سنگھ نے حقارت سے ایک زہر خند ہنسی کے ساتھ کہا "مجھے حیرت ہے کہ آج میں ہندوستان میں ایک ایسا آدمی دیکھ رہا ہوں جو راجپوتوں کے متعلق اس قدر غلط گمان رکھتا ہے کہ وہ موت سے ڈر سکتے ہیں" !

اکبر نے کہا۔ کیا تمہیں اپنے بیوی بچوں کا بھی خیال نہیں"، پرتاب نے اُسی بے پروائی سے جواب دیا۔ راجپوت کی بیوی اُس کی زندگی کی طرح وطن کے لئے وقف ہوتی ہے۔ اکبر نے کہا "اچھا دیکھا جائیگا یہ ہوائی قلعے کب تک قائم رہتے ہیں۔ میں نے ہزاروں کو ایسی ڈینگیں مارتے سُنا ہے۔ مگر بعد میں پشیمان ہوتے بھی دیکھا ہے۔ اگر ہمت مردانہ رکھتے ہو تو جو تمہارے دل میں ہے صاف صاف بیان کر دو"

پرتاب سنگھ نے اٹل فیصلہ کر کے کہا۔ بس اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا کہ میرے راز دل کا ایک حرف بھی آپ کی کوئی تدبیر اور کوئی سختی معلوم نہیں کرا سکتی "

اکبر نے اسپر کہا "شاید تم سمجھتے ہو کہ مجھے کچھ معلوم ہی نہیں !"

پرتاب نے ہنسکر کہا "مگر یہ مجھے بھی معلوم ہے کہ جو جانتے ہیں وہ دریافت نہیں کیا کرتے "

اکبر نے تنگ آکر کہا۔ نوجوان چونکہ تم اپنی زندگی سے بیزار ہو چکے ہو اس لئے تمہیں پاس ادب بھی نہیں۔ گھبراؤ نہیں کل علی الصباح چتوڑ گڈھ کے بیچ چوک میں تمکو اپنی زندگی سے دست بردار ہونا نصیب ہو جائے گا"

اس کے بعد اکبر نے ابوالفضل کو پھانسی کے احکام جاری کرنے کو کہا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ پرتاب سنگھ کو لیجائیں۔

اب پھر پہلے فقیر نے منت سے کہا "شہنشاہ! دلی کے سر تاج ایسا سخت حکم آپ جیسے منصف اور غریب پرور کو زیب نہیں دیتا۔ خطا ہماری ہے اس غریب کو اُس کی سزا کیوں بھگتنی پڑے آپ اس کو معاف کر دیں" اکبر نے فیصلہ کن انداز میں کہا "یہ سب تمہاری زبان پر منحصر ہے۔ اور اُس کی جان بھی اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ تم انکشافِ حال کر دو" اس پر فقیروں نے اپنا سادھوؤں کا لباس اُتار دیا۔ اس میں سے دو خوبصورت راجپوت مہارانیاں نکل آئیں۔ اُس عورت نے جو پہلے فقیر کا لباس پہنے تھی کہا۔ "یہ لیجئے اب آپ پر تمام راز کھلا جاتا ہے میں دکھیاری رانا اودے سنگھ والی چتوڑ کی مہارانی ہوں میرا نام ویرا ہے۔ اور یہ مصیبت کی ماری ان کی بہن پدمنی ہے۔ جب ہم نے دیکھا کہ راجہ لڑائی سے کتراتا ہے اور مردانہ وار مقابلہ کے بجائے پہاڑوں کی گپھاؤں میں منہ چھپاتا پھر رہا ہے۔ تو ہم ہتھیار بند ہو گئے اور راجہ کی جگہ لے لی تاکہ میدان جنگ میں کود کر یا تو اپنی اور اپنے سپاہیوں کی جانیں مغلوں کی تلوار پر قربان کر دیں یا وطن کو دشمن سے بچائیں۔ آپ کی لاتعداد فوج کے آگے ہماری کچھ بن نہ آئی اور بُری طرح شکست کھائی۔ ملک ہاتھ سے نکل گیا اب سوچا جس کی وجہ سے یہ سب دُرگت بنی ہے کسی طرح اُسی کی جان لے لیں۔ ہم دونوں یہ خیال کر کے آئے تھے کہ کٹار سے آپ کو قتل کر دیں گے۔ مگر آپ کے رُعب و جلال نے ہمارا زور بازو سلب کر لیا اور ہم میں اتنی طاقت نہ رہی کہ جس کا اقبال خدا بلند کر رہا ہو۔ اس پر حملہ کر سکیں۔ اس شخص عبدالکریم کی ہم نے جان بچائی تھی مگر یہ اپنے وعدہ کا اسقدر کچا اور احسان فراموش نکلا کہ جو کچھ گل اُس نے کھلایا آپ پر ظاہر ہے۔ آپ پرتاپ سنگھ سے کچھ نہ کہیں اس کی [illegible] شوق سے آپ ابھی ہماری جان لے لیں" دونوں مہارانیوں نے

ہاتھ جوڑ کر اور گھٹنے ٹیک کر بادشاہ سے پرتاپ سنگھ کے چھوڑنے کی درخواست کی اکبر نے اپنی مسند سے اٹھ کر دونوں مہارانیوں سے کہا۔ "بلند مرتبہ مہارانیو اور قابلِ صد آفرین خاتونو اٹھو اور مجھ جیسے ناچیز انسان کے آگے جھک کر مجھے شرمندہ نہ کرو۔ میں اس قابل نہیں کہ ایسی شاندار مثال پیدا کرنے والی اعلیٰ ترین ہندوستانی دیویوں کو اپنے آگے جھکا سکوں تمہاری سچائی بہادری اور عصمت شعاری ہندوستانی تاریخ میں زریں الفاظ میں چمکے گی۔ عبدالکریم نے مجھ سے تمہاری شکایت نہ کی تھی بلکہ تمہاری دیانت داری اور جذبہ خودداری کی تعریف کی تھی اور میں تو اس سے قبل ہی پہچان گیا تھا کہ مردانہ بھیس جنس لطیف کا حامل ہے۔ رانا نے فرار اختیار کیا یہ اس کی غلطی تھی مجھے اس کے ملک سے زیادہ اس کے دل کو فتح کرنے کی آرزو تھی میں چاہوں تو ایک نظر میں ملک کے ملک فتح کرتا چلا جاؤں مگر ایسی فتح سے کیا حاصل جب مجھے لوگوں کے دلوں پر حکمرانی حاصل نہ ہو۔ کیا تم لوگ مجھ سے اس وجہ سے ڈرتے ہو کہ میں غیر مذہب ہوں یہ تو کوئی بنائے مخالفت نہیں کسی کو کوئی راستہ پسند ہے۔ کسی کو کوئی۔ بہر حال منزل سب کی ایک ہے۔ ڈگر جدا جدا ہیں۔ پھر یہ توڑنے جھگڑنے کی کوئی بات بھی نہیں۔ میں بھی تم ہی میں سے ہوں۔ میری قبر بھی ہندوستان میں بنے گی، جو کچھ تم سے لونگا تم ہی کو دے جاؤنگا۔ ترکستان کچھ نہ لے جاؤنگا۔ پھر یہ مذہبی نفرت کیا معنی؟" ابوالفضل نے کہا یہ اخیال ہے ابھی ان لوگوں کا مذہبی تعصب گیا نہیں۔ ایک دن وہ ہو گا جب یہ ایک دوسرے کو پہچان جائیں گے اور مسجد مندر کا فرق اٹھ جائے گا۔" اکبر نے ابوالفضل سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ محض قول سے کسی کا دل کس طرح جیت سکتے ہیں۔ عمل نے مجھے

تب یہ آپ کو سمجھ سکیں گے۔ اچھا قابل پرستش دیو یو کیا میں آپ کی کچھ خدمت کر سکتا ہوں" رانیوں نے کہا۔ بس آپ ہماری پھانسی کا حکم دے دیجئے تاکہ ہم اور ہماری ننگ و ناموس دونوں ختم ہو جائیں" "تم یہ کیا کہتی ہو، اس دلیرانہ کارنامہ کو کون باعثِ ننگ و رسوائی کہہ سکتا ہے" ویرا نے کہا۔ جہاں پناہ ہمارے لئے اس سے زیادہ کیا رسوائی ہو سکتی ہے کہ مہارانا چتوڑ کے محل کی دو رانیاں غیر کے دروازہ پر کھلے بندوں بے پردہ آ جائیں ہم اور آپ ہزار کوشش کریں، مگر چتوڑ کے ماتھے سے یہ کلنک کا ٹیکہ کبھی نہ چھٹے گا۔ بہتر ہے کہ آپ ہماری بے حیا زندگی کا خاتمہ ہی کر دیں۔ تاکہ سدا کے لئے ہماری پردہ پوشی ہو جائے۔ اکبر نے کہا۔ اچھا اگر میں ایسا نہ کروں تو؟ ویرا نے کہا" تب ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ اکبر اعظم ایک حقیر سی عورت کی معمولی استدعا بھی منظور نہیں کر سکتے، اکبر نے ابوالفضل سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ کیا آپ کی تاریخ میں جرأت و عزم راسخ کی ایسی مثال ملتی ہے" ابوالفضل نے مہارانیوں سے دریافت کیا" کیا آپ کی قوم میں تمام عورتیں ایسی ہی بہادر اور مستقل مزاج ہوتی ہیں؟"

ویرا نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا" توبہ توبہ ہمارا ان سے کیا مقابلہ ہم تو اپنے ملک کی سب سے زیادہ بے شرم اور رسوا ابھاگنیں ہیں۔ ہم تو وہاں کی چماری کے بھی ہم پلہ نہیں ہمارے لچھن ایسے ہیں کہ ان کا نام لینا بھی ہمارے لئے زیبا نہیں"۔

اس پر اکبر نے کمال فراخدلی سے کہا" میرے ملک کی بلند ترین مہارانیو! مانگو میں کیا تم کو دے سکتا ہوں"۔ دونوں مہارانیوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ جہاں پناہ ہم نے آج تک یہ کام نہیں کیا۔ اکبر کے ایک اور جی کا لگا۔ اس نے کہا اچھا تو تم دیکھو گی کہ بے مانگے کس طرح ملا کرتا ہے۔ کل علی الصباح چتوڑ کا تاج شاہی تبرک و

شان کے ساتھ تمہارے سروں پر چمکے گا۔ ویرا نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "لیکن مہاراج وہ کمر توڑ شرطیں کس سے مانی جائینگی۔ اکبر نے عاجز آ کر کہا۔ کاش میں کسی عورت کو خوش کر سکتا، اچھا جاؤ میں نے تمہارا ملک غیر مشروط و بلا شرکتِ غیر تم کو بخشا۔"

اس موقع پر ابوالفضل نے کچھ کہنا چاہا اور بادشاہ کے فیصلہ میں ترمیم کرانی چاہی۔ مگر اکبر نے اُسے روک دیا۔ اور کہہ دیا، جو ہو چکا سو ہو چکا ایسے موقعے بار بار نہیں آتے نہ ان جیسی "دو عورتیں" پھر میرے دربار میں آئیں گی۔

پدمنی نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور کہا ہم اسی اکبر سے نبرد آزما تھے اور کیا اس سے بڑھ کر کوئی شاہنشاہ ہو سکتا ہے"۔ ویرا نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "اکبر اعظم زندہ باد"۔

دونوں عورتیں۔ ایک دوسرے کو دیکھتی ہوئی چتوڑ گڑھ کو واپس ہو گئیں اور اکبر اُن کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ابوالفضل حیرت میں تھا۔ اکبر کو فخر تھا کہ اُسکے ملک میں ایسی بھی "دو عورتیں" ہیں۔ جن پر وہ بجا طور پر ناز کر سکتا ہے۔

دوسرے دن شاہی فرودگاہ چتوڑ گڑھ کے محاصرہ سے اُکھڑ کر دہلی آ گئی اور چتوڑ پر پھر سے راجپوتی پھریرہ لہرانے لگا۔

خراج

یہ ۹۳۰ء کا قصہ ہے۔ رورک نے ۸۶۲ء میں شہر نوغراد پر قبضہ کیا اور سلطنت روس کی تشکیل عمل میں آئی۔ روس کے پہلے بادشاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اغور برسر اقتدار آیا۔ یہ رومان اسی بادشاہ اغور کی زندگی کے گرد چکر لگاتا ہے۔ روسی شہر اسکوف کے قریب ایک گاؤں میں ایک مفلس جوڑا رہتا تھا جو محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ میاں بیوی دونوں سارا دن خون پسینہ ایک کر دیتے۔ اس کے باوجود وہ حالات پر قابو نہ پا سکے۔ بہر حال اسی طرح مشکل سے گزر ہو رہی تھی کہ مرے کو مارے شاہ مدار ایک اور نفس کا اضافہ ہو گیا۔ ایک ننھی بچی کی آمد سے وہ دو کے بجائے تین ہو گئے بچی کے معصوم اور ملکوتی حسن سے کوٹھری میں تو اجالا ہو گیا۔ لیکن فکر معاش نے آنکھوں کے نیچے اندھیرا پھیلانا شروع کر دیا۔ اُدھر ماں محنت مزدوری کا کام چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔ لڑکی ذات مولی گاجر کی طرح بڑھتی ہے۔ کوئی گیارہ کا سن ہو گا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اٹھارہ برس کی دوشیزہ ہے۔ اٹھان وہ کہ ہر شخص کی نظر میں کھٹکے۔ جدھر سے نکل جاتی مرکز نگاہ اور تختۂ مشق نظر بن کر رہ جاتی۔ لوگوں کے ہاتھ بے اختیار سینہ پر جا لگتے اور سرد آہیں اُس کے گرد گھومنے لگتی تھیں۔ لیکن اولفا ہر مظاہرہ کا جواب خاموشی سے دیتی۔ جسقدر اُس کا حسن معصوم تھا۔ اُسیقدر وہ خاموش اور سنجیدہ تھی اور اُسی نسبت سے فہیم و دانا بھی گو

وہ ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئی تھی۔ لیکن شکل وصورت سے کسی ملک کی شہزادی معلوم ہوتی تھی۔ اور سیرت تو وہ پائی تھی کہ فرشتوں کو بھی شرماتی۔

ایک دن شہزادہ اغور جنگل میں شکار کی تلاش میں دُور نکل گیا چیتے نے حملہ کیا۔ گھوڑا زخمی ہو گیا۔ ساتھی بچھڑ گئے اور شہزادہ تن تنہا جنگل میں رہ گیا۔ اُس طرف سے اولغا گاڑی میں پیال اور پھوس بھرے جنگل کے کچے رستہ پر گھوڑے کو ٹک ٹک ہانکتی چلی آرہی تھی۔ چیتا گھوڑے کی تکا بوٹی کر کے شہزادے کی جانب لپکا۔ اولغا نے دیکھ لیا۔ اشارہ سے اپنی جانب بلا لیا وہ گاڑی پر چڑھا کہ خود بھی اور شہزادے کو بھی پھوس کے اندر ٹھونس لیا۔ اب وہ بالکل محفوظ تھے۔ چیتے نے بڑی دھاڑیں ماریں، گھوڑے پر حملہ کیا۔ اور مار ڈالا لیکن اصلی دشمن کو نہ پا سکا۔ آخر بھنا کر ایک طرف کو چل دیا۔ اِدھر بیگم صاحبہ چیتے کی دھاڑوں سے بیہوش ہو گئیں اور جسے پناہ دی تھی اُسی کے رحم وکرم پر اسی کی گود میں بے خبر پڑی تھیں کہ تھوڑی دیر میں شہزادے نے سر باہر نکالا۔ اور جب دیکھا کہ معاملہ صاف ہے۔ تو اپنے حسین محافظ اور بار بطین کو گود میں اُٹھا کر گاؤں کی جانب چل دیا۔ گاؤں پہنچکر اولغا کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے اور اسے ہوش میں لے آیا۔ اولغا اس کی بے حد ممنون تھی۔ اُس نے اصرار کیا کہ شہزادہ رات کو وہیں رہے۔ اُسکے ماں باپ نے بھی مقدور بھر منت وسماجت کی۔ لیکن شہزادے نے رہنا قبول نہ کیا۔ اس لیئے نہیں کہ وہ غریب لوگوں میں رہنا اپنی ہتک خیال کرتا تھا۔ بلکہ اس خیال سے کہ افشائے راز نہ ہو جائے اور کوئی اسے پہچان نہ لے چنانچہ شہزادہ چلا گیا، اور دوسرے دن اولغا پائیں باغ میں شاہی تالاب کے اندر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی شہزادہ پیچھے مرمر کی بنچ پر اس کی ٹھوڑی پکڑے بیٹھا تھا اور منہ اُٹھا کر آنکھوں میں آنکھ ڈال کر کہہ رہا تھا "کیوں اولغا ملکہ روس بننے کے لئے لڑکی حسین ہونا

ہونا چاہیئے نا؟"

جواب ملا "بہو---ت!"

شہزادہ نے کہا---"اور وہ---ہے---اولفا"

اولفا نے منہ پھاڑ کر اوپر کو دیکھا۔ شہزادے نے پھٹے ہوئے منہ میں انگلی دیدی۔ اولفا نے مسکرا کر نرمی سے انگلی میں کاٹ لیا۔ شہزادے نے دانت پیسکر شرارت سے اولفا کو اپنی جانب کھینچ لیا---اور ماتھے پہ محبت کا ٹیکہ لگا دیا---اولفا مسکرا کر بھاگ گئی اور آڑو کے درخت کے پیچھے چھپ گئی۔

دوسرے دن اولفا اور اغور کی شادی ہوگئی۔ دس برس بعد جب شہزادہ اغور نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ تو اولفا کے سر پہ بھی ملکہ روس کا تاج رکھا گیا۔ عورت اور لڑکی میں جو نمایاں فرق ہے وہ مرد اور لڑکے میں بھی صاف دکھائی دیتا ہے چنانچہ جب تک لڑکی دوشیزہ رہتی ہے۔ اس کی عادتیں سادہ اور معتدل رہتی ہیں خاموشی اور راضی بہ رضا رہنا اس کا شیوہ ہوتا ہے۔ لیکن شادی ہونے کے بعد یا یوں کہیئے کہ "عورت" بننے کے بعد اس کی اصلیت ظاہر ہوتی ہے اور اس کی افتاد مزاج صحیح طور پر دنیا کے سامنے آتی ہے۔ شادی کے بعد کچھ بات ہی اور ہو جاتی ہے۔ اسکی عادتیں خواہ اچھی ہوں یا بُری یکسر تبدیل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ یہی اولفا اور اغور کے ساتھ ہے۔ اولفا نے کچھ عام پسند عادتیں ڈالیں اور اس طرح وہ سب کی منظور نظر بن گئی۔ اور اغور جو شروع میں زیادہ مقبول نہ تھا۔ بادشاہ بنتے ہی اوّل درجہ کا بخیل اور کنجوس ہو گیا۔ اس پر ہر وقت لالچ سوار رہتا اور زر و جواہر کی طمع اُسے کھائے جاتی تھی۔ اس کے خلاف اولفا کی بلند اخلاقی اور نیک عادتوں سے ساری رعایا خوش تھی۔ بطور ملکہ نہ حسن میں

کسی سے کم نہ سیرت میں۔ اور جو فرائض اسکے سپرد کیئے گئے۔ اُنھیں اس حسن و خوبی سے سرانجام دیا کہ اپنی انتظامی قابلیت کی وجہ سے ساری قوم کی آنکھ کا تارا بن کر چمکنے لگا۔

روس کے اندر اس زمانہ میں ایک سرکش قوم ڈرالین رہتی تھی جو حکومت کو خراج نہ دیتی تھی اغور نے اُس پر لشکر کشی اور کافی کوشش کے بعد اُسے مطیع و فرمانبردار بنا کر اس سے خراج وصول کر لیا اور ہمیشہ کے لئے باجگذار بنا لیا۔ چند روز بعد ان پر پھر لشکر کشی کی اور اس خیال سے کہ ابھی اور روپیہ وصول کرنا چاہیئے۔ ان سے ایک اور معتد بہ رقم وصول کی۔ مال و دولت سے لدا ہوا وہ کیف شہر میں آکر ٹھہرا پھر خیال آیا کہ یہ دولت کم ہے۔ ابھی مجھے اور وصول کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اتنی ہی رقم پھر جا کر وصول کی۔ بیچارے ڈرالین لوگ تنگ آچکے تھے۔ طوعاً و کرہاً یہ رقم بھی کسی نہ کسی طرح دے ہی دی۔ لیکن اغور کی آنکھوں پر تو طمع کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ جتنی دولت دیکھتا اسی قدر ہوس بڑھتی جاتی۔ چنانچہ پھر ڈرالین لوگوں سے کہلا بھیجا کہ ابھی یہ رقم کافی نہیں تم لوگ بڑے مالدار ہو۔ اتنی ہی رقم اور بھیجو۔ غریب ڈرالین بظاہر تو روپیہ دے دیتے تھے۔ مگر دل میں اس ظالمانہ "خراج" سے بیحد تنگ تھے۔ اور اُن کے دلوں میں اغور کے مظالم نے آتشِ انتقام بھڑکا دی تھی۔ اور وہ لوگ موقع کے منتظر رہنے لگے۔

ایک روز بادشاہ اپنے چند خاص آدمیوں کے ہمراہ شکار سے واپس آرہا تھا۔ ڈرالین لوگوں کو موقع مل گیا۔ جمع ہو کر ایک دم بادشاہ اغور کی ٹولی پر پل پڑے تمام ساتھیوں کو چُن چُن کر قتل کر دیا اور بادشاہ کی بڑی درگت بنائی۔ اُسے اپنے شہر دار یان میں لے گئے اور ساری قوم کو جمع کر کے تماشہ کیا۔ دو بڑے بڑے درختوں کی شاخوں کو جو برابر کھڑے تھے، رسیوں سے کھینچ کر ملایا اور اغور کی ایک ٹانگ اور ایک ہاتھ کو ایک شاخ سے باندھا۔ دوسری شاخ سے دوسرا

ہاتھ کس کر باندھ دیا۔ پھر ایک دم شاخوں کو آزاد چھوڑ دیا۔ آن واحد میں بادشاہ دو ٹکڑے ہوکر دونوں درختوں کی ٹہنیوں میں جا اٹکا۔ استعمار و آمریت کے خلاف محکوموں کا جذبۂ انتقام رنگ لا کر رہا۔ اسکے بعد نعش کے دونوں ٹکڑوں کو درختوں سے اُتارا گیا اور اُس پر ساری قوم نے تھوکا۔ پھر ایک گندی جگہ دفن کرکے مٹی ڈال دی۔

اغور نے ۳۲ برس حکومت کی اور ۹۴۵ء کے آخر میں مارا گیا۔ ایک لڑکا اور ایک بچی پیچھے چھوڑی اولغا کا غم کے مارے بُرا حال تھا۔

یہ زمانہ پچیسویں[25] عباسی خلیفہ کا تھا اور دنیا کے اکثر حصّے میں اسلامی حکومت کے استحکام و انتظام کا بول بالا تھا چونکہ اولغا کا لڑکا ابھی نابالغ تھا۔ اس لیے شوہر کا ماتم کرنے کے بعد وہ خود تخت پر بیٹھ گئی اور اپنے خداداد حُسنِ انتظام کے جوہر دکھانے لگی۔ اگرچہ اس نے حکومت کی باگ ڈور کو نہایت قابلیت سے سنبھال رکھا تھا۔ اور وہ رعایا میں بے حد مقبول تھی۔ لیکن ابھی اُس کے دل میں انتقام و قصاص کی آگ سلگ رہی تھی کہ جس طرح بھی ہوسکے ڈرالین لوگوں سے اپنے شوہر کا بدلہ لے۔

ادہر بادشاہ کے قتل سے ڈرالین لوگوں کی ہمتیں اتنی بڑھیں کہ اُن کے دل میں سارے روس پر حکومت کرنے کی دھن سماگئی۔ ان کا سردار بڑا عقلمند تھا۔ اس نے ایک ترکیب سوچی کہ اگر ملکہ اولغا سے شادی کرلے تو روس کی لاتعداد فوج سے مقابلہ کئے بغیر وہ شہریار روس کا تاج پہن سکتا ہے۔ چنانچہ اُس نے ملکہ اولغا کے دربار میں چند سفیر اس مقصد کیلئے شادی کا پیام دے کر بھیجے۔ جب وہ اولغا کے دربار میں پہنچے تو اُسے بڑا غصہ آیا۔ لیکن مصلحت سے خاموش ہوگئی، اور موقعہ شناسی سے کام لیکر سوچا یہی تو بہترین موقع ہے انتقام کا۔ اُن لوگوں سے کہلا بھیجا کہ مجھے آپ کے پیغام سے بیحد مسرّت ہوئی۔ میں تو خود یہی چاہتی تھی۔ خیر اب تم لوگ آگئے ہو تو وہیں کشتیوں

ہیں قیام کرو میں اپنے عمائدین حکومت سے رائے لوں۔ وہ لوگ کل صبح تمہارے پاس آئیں گے۔ مگر خیال رکھنا کہ تم لوگ ان کے کاندھوں کے سوا کسی دوسری سواری کو منظور نہ کرنا۔ اسلئے کہ اس طرح تمہارا رعب بیٹھ جائے گا اور وہ لوگ تمھیں ایک جاہل قوم نہیں بلکہ شادی کے قابل سردار اور ملک کا بادشاہ تصور کریں گے۔ اس جواب سے سفیر بڑے خوش ہوئے۔ اور دوسرے دن جب علی الصبح اولغا کے امراء و عمائدین حکومت آئے تو انہوں نے ان سے وہی مطالبہ کیا۔ کارکنانِ حکومت اس پر رضامند ہو گئے انہیں کندھوں پر سوار کر کے محل کی پشت پر لے گئے اور ایک غار میں جو اسی مقصد کیلئے بنایا گیا تھا ڈال کر زندہ دفن کر دیا۔ اولغا نے اس طرح دشمنوں سے انتقام لینا شروع کر دیا۔

اس نے ڈرالین سردار کو کہلا بھیجا کہ آپ کے سفیر پہونچے۔ میں نے حتی المقدور خاطر مدارات سے کام لیا اور وہ عزت سے یہاں قیام پذیر ہیں۔ اولغا نے چند معزز افسر بھیجے جنہوں نے سردار سے جا کر کہا کہ ملکہ آپ کے پیغام کو منظور فرماتی ہیں۔ اب آپ اپنے عمائدین اور معزز سرداروں کو بھیجئے تاکہ ملکہ ان لوگوں کے ہمراہ تزک و احتشام سے یہاں آئیں۔ سردار اس پیغام سے کچھ ایسا اندھا ہوا کہ اولغا کے حسن کی ہوس اور ملک گیری کے لالچ میں اپنے تمام بڑے بڑے سردار اولغا کے پاس بھیج دیئے۔ اس نے کہا کہ جاؤ اور ملکہ اولغا کو بڑی قدر و منزلت سے یہاں لے کر آؤ۔ جب یہ لوگ روسی سفیروں کے ساتھ نوغراؤ شہر میں جہاں ملکہ تھی پہنچے۔ تو ان کا پرجوش استقبال کیا گیا اور نہانے کیلئے انھیں حمام میں بھیج دیا گیا۔ جونہی وہ لوگ میں داخل ہوئے باہر سے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اور آگ تیز کر دی گئی جس سے وہ لوگ اندر ہی اندر دم گھٹ کر ختم ہو گئے۔ اس طرح تمام سرداروں کا قلع قمع کر دیا۔ اب وہ تیار ہو کر ڈرالین لوگوں کی جانب روانہ ہوئی پہلے ایک قاصد بھیج دیا تاکہ ڈرالین سردار کو اطلاع کرے کہ

ملکہ اولغا تشریف لا رہی ہیں اور عنقریب پہونچا چاہتی ہیں۔ اس مژدہ کو سُنکر ڈرالیں سردار اتنا خوش ہُوا کہ آپے سے باہر ہو گیا اور اپنی تمام فوج کو لیکر دریا کے کنارے ملکہ کے استقبال کیلئے پہونچا۔ بڑی شان سے ملکہ کا خیر مقدم کیا اور مع فوج کے اپنے دارالسلطنت میں ٹھہرایا۔ ملکہ نے حسب وعدہ پہلے اپنے شوہر کے مزار پر ماتم خوانی کی۔ پھر سب لوگوں کو جمع کر کے ایک دعوت دی جس میں پُر تکلّف کھانے اور انواع و اقسام کی لذیذ غذائیں مہیا کیں۔ سب کو حسب مرتبہ جگہ دی گئی۔ ڈرالین سردار پھولا نہ سمایا۔ آخر محفل طعام شروع ہوئی۔ اسکے بعد شراب کا دَور چلا۔ ایسی ایسی کہنہ اور تیز روسی شرابیں نکالی گئیں جو بذاتِ خود تیزاب تھیں، اسکے علاوہ اُن میں خواب آور پوست کا عرق دیا گیا۔ جس سے وہ لوگ اس قدر مدہوش ہوئے کہ پلانے والے تھکے جاتے تھے مگر پینے والے مانگے جاتے تھے۔ وہ لوگ ابھی خوابِ مدہوشی میں تھے کہ ناگاہ روسی سپاہی برچھیاں لیکر اندر گھس آئے۔ چُن چُن کے ڈرالیں سرداروں کو چھید ڈالا جو اُٹھتا وہی نشہ سے لڑکھڑا کر گر پڑتا۔ بڑی مشکل سے سردار چند لوگوں کے ہمراہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ اولغا کو اس کا بڑا رنج تھا۔ اس کا اصل شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ اگرچہ کم و بیش چھ ہزار ڈرالین مارے گئے لیکن اولغا کی آتش انتقام ابھی فرو نہ ہوئی تھی۔ ان کی تمام طاقت توڑ کر اولغا واپس آگئی۔ لیکن ایک سال بعد جب دوبارہ ڈرالیں ذرا سنبھل گئے تو اولغا نے پھر ڈرالیں لوگوں پہ ہلّہ بول دیا۔ اور اپنے ننھے بچے کے ہمراہ ایک لشکر جرار لیکر ڈرالیں پہونچی، ڈرالین مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ کے اندر گھس گئے اور اولغا کے حکم سے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اولغا اور اس کی فوج جوانمردی سے قلعے پر حملے کرتے رہے۔ لیکن قلعہ کچھ ایسی ساخت کا اور اتنا مضبوط تھا کہ کسی طرح بھی اولغا کا بس نہ چلا اور وہ ہر کوشش میں ناکام رہی "فوجوں کی کوئی خطا نہ تھی۔ حملہ میں کسی قسم کی کمزوری نہ تھی۔ لیکن قلعہ کی فیصل کے آگے کوئی پیش نہ جاتی

تھی۔ آخر اولغا نے ترکیبیں سوچنی شروع کیں۔ ایسی ترکیبیں جن کے ذریعہ لڑائی کے بغیر فتح حاصل ہو سکے۔ وہی عورتوں والی ترکیبیں جن سے بڑے بڑے مائی کے شیر گھٹنے ٹیک جاتے ہیں۔ اولغا نے دیکھا کہ محاصرہ کو ایک عرصہ گذر گیا ہے اور ڈرالین نے قسم کھالی ہے کہ قلعہ کا دروازہ نہ کھولیں گے۔ خواہ بھوکے پیاسے مر جائیں۔ چنانچہ اس نے ان کے ہتھیار ڈلانے کی ایک اور ترکیب کی۔ ملکہ نے سردار سے کہلا بھیجا کہ اس طرح سڑ سڑ کر مرنے سے کیا فائدہ ظاہر ہے کہ تم لوگ اس طرح نہیں رہ سکتے اور میرے پاس اس قدر فوج اور سامان رسد ہے کہ میں دس سال تک بھی چاہوں تو محاصرہ قائم رکھوں۔ مگر اس سے میرے ملک کے کاموں میں خلل پڑتا ہے اور سلطنت کے کاروبند رکھنا پڑتا ہے بہتر ہے کہ تم میری بات مان جاؤ، اور چونکہ میں بھی تم سے کافی انتقام لے چکی ہوں۔ محض اتنا چاہتی ہوں کہ تم لوگ میرے باجگذار ہو جاؤ اور میں چند معمولی شرائط پر صلح کیلئے تیار ہوں وہ یہ کہ ایک حقیر سا "خراج" تم مجھے دیدو جس کے یہ معنے ہوں گے کہ تم نے میری اطاعت قبول کر لی ہے اور میں تم کو تمھارا ملک واپس کر کے روس لوٹ جاؤنگی میں صرف اسقدر چاہتی ہوں کہ ہر گھر سے تین تین کبوتر اور پالتو جانور چڑیاں میرے پاس بھیج دیئے جائیں اور میں بطور فتح کی خوشی کے انھیں اپنی فوج میں تقسیم کر دوں"۔

جب ڈرالین کے سردار نے اس قدر سہل شرط سنی تو اسے ایسا محسوس ہوا گویا سنگا کو خلاصی ہو گئی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن دو پہر تک تمام محصورین نے تین تین کبوتر اور تین تین مینائیں فی گھر بھیج دیں۔ بظاہر یہ معمولی سی بات تھی لیکن واہ رے اولغا کی فہم و دانش۔ اس معمولی سے خراج کے ذریعہ اس نے قلعہ فتح کر لیا۔ شام تک جس قدر کبوتر اور چڑیاں ملی تھیں۔ اتنے ہی کپڑے

کے گچھے تیل میں بھگو کر تیار کر لئے گئے۔ رات ہوئی تو وہ گچھے آگ لگا کر کبوتروں اور مینڈاؤں کے پنجوں میں باندھ دیئے اور ان کو چھوڑ دیا۔ وہ سب ایک ساتھ اڑ کر قلعہ کی جانب چلے تو سارا آسمان چھوٹی چھوٹی قندیل نما روشنیوں سے بھر گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا ہزاروں ہوائیاں اور ناشپال چھوٹ رہے ہیں۔ یہ منظر جب ڈرالین نے دیکھا تو سمجھے روسی لشکر سے آتش بازی چھوٹ رہی ہے۔ چنانچہ اس تماشہ کو دیکھنے کیلئے اپنے کوٹھوں کی چھتوں اور برجوں پر چڑھ گئے۔ لیکن آن واحد میں وہ کبوتر قلعہ کے اندر آ گئے۔ اور لگے اپنے گھر گھونسلے تلاش کرنے۔ اور جہاں بیٹھے آگ لگا دی۔ اب تو ڈرالین بڑے بوکھلائے اور شور و غوغا بلند ہو گیا۔ کیونکہ جہاں بھی وہ جانور بیٹھے مکانوں کے مکان اور عمارتوں کی عمارتیں خاک سیاہ کر دیں۔ عورتیں اور بچے چیخ چیخ کر گھروں سے باہر پیٹتے ہوئے نکلے۔ سارے قلعہ میں کہرام مچ گیا۔ قلعہ کے کسی کونہ میں حفاظت کی جگہ نہ تھی، ناچار بد حواسی کے عالم میں قلعہ کے دروازے کھول دیئے گئے اور واویلا مچانا شروع کر دیا۔ روسی سپاہی تیار ہی تھے ایک دم اندر گھس آئے، اور قتل کا بازار گرم کر دیا۔ ڈرالین سردار زندہ گرفتار کر لیا گیا اور فوجی کیمپ میں لا کر سپاہیوں کی تفریح کیلئے چھوڑ دیا گیا۔ فوجی جرنیل نے اُسکے بدن پر ایک ایسی دوا لگا دی جو بلّی کو بہت مرغوب ہے، اور جسکی خوشبو سونگھ کر بلّی خوفناک صورت اختیار کر لیتی ہے، اور ہر اُس چیز کو کھانے کی کوشش کرتی ہے جس میں دوا کی خوشبو ہو۔ چنانچہ دوا ملنے کے بعد سردار کی مشکیں کس دی گئیں۔ اسکے بعد ہر سپاہی نے اس کے بدن میں تیزاب میں بجھی ہوئی سوئیاں چبھوئیں۔ پھر دو خوفناک بلّے اس پر چھوڑ دیئے گئے۔ اور ان کے گلے میں رسیاں باندھ دی گئیں، بلّوں نے چھوٹتے ہی ڈرالین سردار کے بخیئے بکھیر لئے۔ اسکے بعد رسی سے ان کو کھینچ لیا گیا۔ اور سردار کی چیخ پکار پر سپاہیوں نے قہقہے لگائے اور دکھا دکھا کر پھل کھائے اور شراب

اُڑائی۔ تھوڑی دیر کے بعد بتّوں کو پھر چھوڑ دیا گیا اور پھر کھینچ لیا گیا۔ غرض اسی طرح بار بار کیا گیا۔ جب سردار ادھ موا ہو گیا۔ تو اُسے چھوڑ کر سب باہر چلے گئے۔ وہ بھی اسقدر سخت جان تھا کہ باوجود ایسی ایسی جانکاہ اذیتوں کے کئی دن بعد ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دی اس طرح اپنے خاوند کے قتل کا انتقام لیکر اولغا اپنے وطن کو بامراد لوٹی اور قلعہ پر بدستی جھنڈا لہرانے لگا۔

واپس آ کر ملکہ نے اسقدر حسن و خوبی سے انتظام کیا کہ ساری رعایا خوش ہو گئی۔ تمام فوج کو مراتب اور انعامات بخشے گئے۔ اور نئے سرے سے منظم حکومت قائم ہو گئی۔ اسکے بعد کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہوئی، حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے کے بعد اولغا سلطنت اور تاج و تخت سے دستبردار ہو گئی۔ اور چونکہ حکومت کے کاموں میں ماہر ہونیکے علاوہ وہ مذہب پر جان دیتی تھی ______ اس نے گوشۂ عافیت اختیار کر لیا۔ اور باقی زندگی ریاضت و نفس کُشی میں گذارنے کا عہد کر لیا۔ وہ دین عیسوی کی شیدائی تھی اور اپنے دیرینہ مذہب بُت پرستی کو تقلید کو روا نہ گردانتی تھی۔ اس لئے اُس نے حکومت کا بار اپنے لڑکے پر ڈال کر قسطنطنیہ کا سفر کیا اور یونان کے بڑے کلیسا سینٹ صوفیہ میں قیام کیا جہاں اُسے راہب پیٹریارک نے ہیلین کا نام دیا اور وہ دوبارہ روس واپس آ گئی۔ اب روس میں اس کی بڑی پوجا ہوئی۔ لوگ اسے سینٹ کہنے لگے۔ لیکن باوجود کوشش کے اولغا اپنے بیٹے کو اُس کے پرانے مذہب سے نہ چھڑا سکی۔ اور اسی ریاضت و رہبانیت کی زندگی گذارتے ہوئے ۹۶۹ء میں دُنیا سے گذر گئی اور مسیحیوں کی طرح دفن ہوئی۔

مُفت ہوئی بدنام........"

آج سے ایک سو سال پہلے کا واقعہ ہے کہ الجزائر اور فرانس کی فوجیں ایک دوسرے کو زیر و زبر کر رہی تھیں۔ کئی مرتبہ الجزائریوں نے فرانسیسیوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور اپنی تلوار کا لوہا منوا لیا لیکن فرانس کی فوج اتنی بڑی تعداد میں تھی کہ الجزائری اپنی حفاظت نہ کر سکے، اور ان کے جرنیل امیر عبدالقادر کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ اُنہوں نے اپنی تلوار دشمن کے حوالے کر دی۔ اور ملک کو اپنے دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

عبدالقادر ایک بہادر اور جری وطن پرست امیر تھے اُنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی روایاتِ پارینہ پر قائم رہتے ہوئے ہر طرح جان توڑ مقابلہ کیا۔ لیکن تقدیر کے ہاتھوں ناکام رہے۔ آخر ایک صلحنامہ ہوا۔ جس کی رُو سے قرار پایا۔ کہ حکومتِ فرانس امیر کو مشرقی الجزائر میں باعزت آزادی دے گی اور اُن کی حرکات و سکنات پر کسی قسم کی پابندی عاید نہ کی جائے گی لیکن جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، سیاسیات کے اُتار چڑھاؤ نے حکومتِ فرانس کو اپنے عہد پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور امیر عبدالقادر کو اُن کی فوج کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد ——— فرانس بھیج دیا گیا۔ جہاں اُنھیں امبازے کے محل میں نظر بند کر دیا گیا۔ ان کی وفاداری اور

وطن پرستی کے باعث جذبہ ایثار سے متاثر ہو کر بہت سے جانباز بھی ان کے ہمراہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے لگے۔

امیر کے انہی رفقا میں سے عبدالسمیع بھی تھا وہ آشنا وفادار اور فدا کار وطن تھا کہ اس نے ملک کی خاطر اپنے گھر بار اور بال بچوں کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ اور ہر دم اور ہر حالت میں امیر کے ہمراہ رہتا تھا جس طرح امن و کامیابی کے زمانہ میں اس نے امیر کا ساتھ دیا۔ اسی طرح سینہ تختی میں بھی اس نے اپنے آقا کا ساتھ چھوڑنا منظور نہ کیا۔ چنانچہ وہ بھی فرانسیسیوں کی قید میں چلا گیا۔ سب لوگ ایک ہی ساتھ محل میں نظر بند تھے۔ عبدالسمیع اکثر کہا کرتا۔ "اے آقا میں نے دنیا کی محبت اور اہل و عیال کا دھیان دل سے نکال دیا ہے۔ اور اب میرے دل کا ایک گوشہ آپ کی محبت اور دوسرا خدا کی یاد سے معمور رہتا ہے"۔ امیر کو خود بھی عبدالسمیع پر بڑا اعتماد تھا۔

بادشاہوں سے بادشاہوں کا سا سلوک کرنا ہر حکومت کا فرض ہے۔ امیر عبداللہ کی خاطر جو نوکر چاکر رکھے گئے تھے۔ ان میں ایک خوبصورت فرانسیسی لڑکی ایلین فانتن بھی تھی۔ جو ایک خادمہ کی حیثیت سے ہر وقت امیر کی خدمت میں حاضر رہتی تھی۔ وہ باوجودیکہ فرانسیسی تھی لیکن اس قدر خدمت گزار اور ہمدرد تھی کہ امیر کو اس کی خدمات کا بڑا اعتراف تھا۔ ادھر عبدالسمیع کو اس کی خدمات دیکھ کر رشک ہوتا تھا۔ اور یہی چیز ان کے درمیان دل کی حرکت کا ذریعہ بن گئی۔ ایک دن تنگ آکر عبدالسمیع نے ایلین فانتن سے کہا۔

"اے فرانسیسی لڑکی آخر تو نے امیر پر کیا جادو کر دیا ہے کہ میری برسوں کی محنت اکارت جاتی نظر آتی ہے"۔

ایلین نے ہنس کر کہا۔ "تم بھی کوشش کر دیکھو تو اسے اپنا فرض منصبی سمجھتی ہوں"

آخر اس بحث نے اتنا طول پکڑا کہ اس کے نتیجہ میں ایلس اور سمیع میں مقابلہ ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر امیر کی خدمت کرنے لگے۔ لیکن سمیع کو ہر کوشش میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور آخر اس کا دل ٹوٹ گیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ایک پاک اور مقدس جذبہ ان کے دلوں میں پیدا ہوا۔ اور یہ جذبہ چند ہی دنوں میں ہمدردی، شرارت اور بحثا بحثی سے بڑھتے بڑھتے ایک دوسرے سے اُنسیت، بے لوث محبت اور سچی لگن میں تبدیل ہو گیا۔

سمیع اور ایلس کو ایک دوسرے کے بغیر چین نہ آتا تھا۔ سمیع کے دل میں اب پہلی سی کیفیت بھی نہ رہی تھی اُس کا قلب اب تین حصوں پر تقسیم ہو چکا تھا جن میں سے ایک ایلس کی محبت کیلئے وقف تھا۔ کسی صورت بھی ایلس کی جدائی منظور نہ کر سکتا تھا لیکن وہ سب حالات امیر سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ دشمن کی کسی لڑکی سے خواہ وہ کیسی ہی وفادار اور ہمدرد کیوں نہ ہو اُسے منسلک ہونے کی اجازت نہ دے سکتے تھے۔ لیکن عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ ایک دن چاندنی رات میں سمیع اور ایلس محل کی فصیل پر بیٹھے عشق و رومان کی دُنیا میں گم تھے۔ اچانک سمیع نے ایلس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہا: "ایلس! کیا تم اپنے عہد محبت کے مقابلہ میں کسی قسم کی رکاوٹ کی پرواہ نہ کرو گی؟"

ایلس نے گردن نیچی کر کے کہا: "عزیز شیر! میں ہر حالت میں تمہارے حکم کی تعمیل کرونگی۔"

سمیع نے ایلس کے سُرخ ہاتھوں کو اور داب کر کہا: "اچھا! ایلس اب میں تم سے جُدا نہیں رہ سکتا تم میرے ساتھ ہی رہا کرو۔"

کام تو مشکل تھا۔ لیکن جہاں آمادگی ہوتی ہے وہاں کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آتی ہے اور پھر محبت کی راہ جس میں عورت اپنے لئے کوئی نہ کوئی تجویز سوچ ہی لیتی ہے۔

ایلس امیر کی خدمت گزاری کا بہانہ کر کے خود بھی اپنے "عربی شبیر" کے ہمراہ نظر بند ہوگئی۔ اُس نے اسیری کو آزادی پر ترجیح دی۔ کیونکہ محبت کی قید اس کے نزدیک بے لطفی کی آزادی سے بہتر تھی۔

سمیع اور ایلس جس وقت عہد و پیمان محبت میں مصروف تھے۔ ایک کنیز نے انھیں دیکھ لیا۔ اور ـــــــــ اُس کے دل پر بجلی گر پڑی۔ کیونکہ وہ خود ایک عرصہ سے عبدالسمیع پر اپنی نظروں کے وار کر رہی تھی۔ لیکن سمیع نے کبھی اُسے نگہِ التفات سے نہ دیکھا تھا۔ اُس نے جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو کر سارا قصہ ایلس کے گھر جا سنایا۔ بس پھر کیا تھا۔ گھر والوں کے آگ ہی تو لگ گئی۔ مگر پاسِ ناموس نے اُن کی زبان نہ کھلنے دی، اور وہ خاموشی سے موقع کے منتظر رہنے لگے۔ ایک دن جب ایلس گھر گئی تو اسکے والدین نے اُسے دوبارہ محل میں جانے کی اجازت نہ دی اور زیادہ اصرار پر صاف یہ کہدیا ـــــــــ "ہم کسی غیر مذہب کے مرد سے تجھے منسوب کرنے کی بجائے تجھے جان سے مار ڈالنا بہتر سمجھتے ہیں۔ ہم تیرے کرتوتوں سے خوب واقف ہیں تو نے ہماری ناک کاٹ ڈالی"۔

کئی دن بلکہ کئی ہفتے گزر گئے۔ لیکن ایلس واپس نہ جاسکی۔ عبدالسمیع کی تشویش بڑھنے لگی۔ طرح طرح کے خیالات اسکے دماغ میں آتے۔ کبھی سوچتا۔ کہیں ایلس ناراض تو نہیں ہوگئی۔ مگر اس نے کوئی نامناسب بات تو کی نہ تھی۔ جاتی دفعہ ایلس ہنسی خوشی واپس آنے کا وعدہ کر گئی تھی۔ کبھی اُسے خیال آتا کہیں اُس کی شادی تو نہیں ہونے لگی۔ آخر اس نے ان لڑکیوں سے دریافت کیا جو اس کے ہمراہ شہر سے آتی تھیں۔ انھوں نے کئی دن کے بعد معلوم کر کے بتایا کہ اُسے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے، وہ ہر وقت تمہاری یاد میں تڑپتی رہتی ہے۔ یہ سنکر سمیع کا اضطراب بڑھ گیا اور سوچنے لگا کہ

کس طرح اپنی محبوبہ سے ملے اور اُسے اُن مصائب سے چھٹکارا دلائے لیکن وہ مجبور تھا۔ قلعہ کے نظر بندوں میں سے کسی کو بھی شہر جانے کی اجازت نہ تھی!

عبدالسمیع اسی فکر میں تھا۔ اور ابھی کوئی حل نہ سوچ پایا تھا کہ ایک روز صبح ہی صبح پانچ بجے قصر امباز کے عقب میں پائیں باغ کے اندر ایک شور برپا ہوا۔ چاروں طرف سے لوگ اُمنڈ پڑے اُنھوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی خاک و خون میں غلطاں لڑھکتی پڑھکتی چلی آ رہی ہے اور اس کے سینہ پر ایک کاری زخم لگا ہوا ہے لوگ دوڑے اور اس سے حالات دریافت کرنا چاہے۔ مگر اُس نے ہر بات کا جواب "سمیع" ہائے "سمیع" میرے عبدالسمیع کو بلاؤ۔ ہی دیا۔ زخموں کی تکلیف اور درد و کرب کی شدت میں بھی لڑکی نے عبدالسمیع کا نام پکارا۔ اس شور و غوغا سے عبدالسمیع کی آنکھ بھی کھل گئی۔ اس نے اپنی کھڑکی میں سے جو پائیں باغ کی جانب کھلتی تھی باہر دیکھا۔ ایک مجمع سا لگا ہوا تھا۔ عبدالسمیع بھی تماشہ دیکھنے کی خاطر آنکھیں ملتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ قریب جا کر اسکے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُس نے دیکھا کہ اُسکی محبوبہ ایلس فانتینا خون سے لت پت اس کا نام پکار رہی ہے۔ اُس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں ملیں اور حقیقت کو خواب کی حدود سے باہر دیکھ کر ایک دم ایلس سے چمٹ گیا اور کسی بے اختیار جذبہ سے مغلوب ہو کر مجنونانہ اُس کے زخمی سینہ اور پژمردہ رخساروں کو چومنے لگا۔ اس وحشت میں اُسے لوگوں کی موجودگی کا احساس بھی نہ رہا۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ جب ہوش بجا ہوئے تو عبدالسمیع کو بھی اپنی ناشائستہ جرأت اور اعلانیہ اظہار محبت کا احساس ہوا اُس نے آہستہ سے ایلس کا سر زمین پر رکھ دیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔

لوگوں نے اُس سے پوچھا "تم نے یہ ناجائز حرکت کس بنا پر کی۔ اور تم اس لڑکی

سے کیونکر واقف ہو؟ تم کو اس قدر بے تکلف اور بے حجاب ہوتے ہوئے شرم نہیں آئی تم نے شرقی روایات کو پامال کیا ہے۔ سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟"

عبدالسمیع نے کہا: "میں جو کچھ کہونگا امیر کے روبرو صاف صاف اور سچ سچ کہونگا۔ اور اگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو اس کا خمیازہ امیر کے فیصلہ کے مطابق بھگتنے کو تیار ہوں"

چنانچہ اس واقعہ کی اطلاع امیر کے پاس پہنچی وہ خود بہ نفس نفیس جائے وقوعہ پر پہونچے اور معاملہ کی تحقیقات کی ——

پہلے عبدالسمیع نے شروع سے آخر تک اپنی داستانِ محبت بیان کی جس کے بعد ایلیس ذانتی نے یوں عرض کیا ——

اے میرے آقا! میں نے آپ کی چوری کی ہے۔ مجھے سمیع سے محبت ہوئی لیکن میں نے کوئی ناجائز حرکت نہیں کی۔ میرے والدین کو حالات کا علم ہو گیا۔ وہ مجھے سمیع سے ملنے کو روکتے تھے میں روز سے میری غیر حاضری کی یہی وجہ تھی۔ کہ میرے بھائی اور باپ نے مجھے گھر میں قید کر رکھا تھا میں نے کئی بار کوشش کی لیکن بھاگنے کا راستہ نہ مل سکا۔ آخر آج رات کو موقع مل ہی گیا۔ اور میں گھر سے نکل بھاگی۔ لیکن راستہ میں مجھے ناگاہ میرا بھائی ملا اس نے مجھے روکا۔ مگر میں نے اسکے اصرار کی پروانہ کر کے صاف کہدیا کہ اب میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا جسم میری روح اور میرا قلب سب سمیع کے ہیں۔ یہ سُن کر وہ جل اُٹھا۔ اور جب میں نے ہاتھ چھڑا کر بھاگنے کی کوشش کی تو اس نے میرے پیچھے بھاگتے ہوئے میرے سینہ اور بغل میں خنجر پیوست کر دیا۔" یہ کہتے کہتے کئی بار اس کی آواز کپکپا گئی اور چہرے پر مُردنی سی چھا گئی۔ اپنے بیان کے خاتمہ پر اس نے نہایت دھیمی آواز میں کہا: "عبدالسمیع"

اور بازو اوپر کو اٹھا دیئے۔ لیکن وہ ایک دم گر پڑے۔ ایلیس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ امیر نے مُنہ پھیر لیا۔ اور عبدالسمیع خاموش ایک طرف کو گردن ڈالے ہوئے چل دیا۔ ایلیس کی رُوح محبّت کی قربان گاہ پر نثار ہو گئی۔ اس کا جسم سرد ہو گیا ــــــــــ !

امیر نے حکومت سے اجازت لیکر ایلیس فاستن کو محل کے ایک پر رونق باغ میں صنوبر کے سایہ دار درختوں کے نیچے ایک خوبصورت قبر میں اسلامی طریقہ کے مطابق دفن کرا دیا۔ اور نماز جنازہ خود پڑھائی۔ جب وہ ایلیس کو دفن کر کے چلے تو سمیع کی حالت دیکھ کر امیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس کے بعد حالات بدستور رہے اور عبدالسمیع کی خدمت گزاری اور ادائے فرض میں کوئی فرق نہ آیا۔

امیر عبدالقادر ۲۸ اگست ۱۸۴۸ء کو قصر امباز میں نظر بند کئے گئے تھے۔ لیکن جب فرانس میں ایک عظیم الشان انقلاب کا آغاز ہوا اور حکومت کا نظام بگڑ گیا تو امیر عبدالقادر بھی آزاد ہو گئے اور ۱۱ دسمبر ۱۸۵۲ء کو انھوں نے قصر امباز کو خیرباد کہا۔ حکومتِ فرانس نے اجازت دیدی تھی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ انھوں نے دمشق جانے کا ارادہ کیا۔ امیر نے کوچ کی تیاری کے بعد سب رفقاء کو بلایا سب لوگ حاضر ہوئے۔ لیکن عبدالسمیع کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آخر بے حد تلاش اور جستجو کے بعد امیر نے دیکھا کہ عبدالسمیع اپنے کمرہ میں مُردہ پڑا ہے، اور ایک تحریر اسکے سینہ پر رکھی ہے جس میں لکھا ہے ــــــــــ !

اے میرے آقا! ایک وقت میں کہتا تھا کہ میرے دل کے دو ٹکڑے ہیں۔

ایک آپ کے لئے اور دوسرا خدا کے لئے لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ دل کا ایک بڑا حصّہ مجھے ایلیس فانتن کیلئے بھی مخصوص کرنا پڑے گا۔ میں ایلیس فانتن کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا میں اسی کے ساتھ مر چکا تھا۔ لیکن اپنے اس عہد پر کہ مصیبت میں آپ کا ساتھ دونگا۔ قائم رہنے کی وجہ سے زندہ رہا۔ ایک مشین کی طرح میرے جسم میں روح نہ تھی۔ اب حضور کی مصیبت اور گرفتاری کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ مجھے اپنی خدمت سے سبکدوش فرمائیں۔ اور مجھے ایلیس فانتن کے برابر ہی دفن کر دیں۔"

امیر کا دل اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوا کہ ان جیسا بہادر اور جانباز سردار بھی آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکا۔ انہوں نے سب لوگوں کو تین روز اور ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور عبدالسمیع کی باقاعدہ تجہیز و تکفین کر کے اُسے ایلیس فانتن کی بغل میں دفن کر دیا۔ اس کے بعد دونوں کی قبر پر ایک چھوٹا سا مقبرہ بنوا دیا۔ آج بھی قصرِ اسباز کے باغ میں ایک زرد قبر موجود ہے۔ جس کی مرمریں تختی پر لکھا ہے:۔

"انھوں نے محبّت کی، ایک دوسرے کی رُوح میں تابندگی پیدا کی اور ایک دوسرے کی خاطر جان دیدی۔"

حسن اور حیوان

اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال اور مرہٹہ طاقت پر انگریزوں کے عروج کا جو درمیانی تباہ کن وقفہ ہے۔ اس کا اثر جتنا راجستھان کے چھوٹے چھوٹے سرداروں اور شہزادوں کو پہونچا اتنا شاید ہی کسی اور کو پہونچا ہو۔ راج کماروں کی زمینیں اور جائدادیں مغل حکومت کی طرح دم توڑ رہی تھیں۔ لٹیرے اور باغی شرفاء اور شہزادوں کو پیروں سے روندتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ قانون اور انصاف اپنے نام سے شرمندہ تھے۔

اسی دھندلے پس منظر پر "گل راجستھان" ــــــ راج کماری کرشنا کماری ستارہ صبح کی مانند درخشاں نظر آتی ہے۔ جو والئے میواڑ رانا بھیم سنگھ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ دماغی اور جسمانی کمزوری کے سبب رانا تخت پر بیٹھنے کے لئے سب سے زیادہ نامناسب راجپوت تھا۔ اور اسی لئے اس پر ــــــ اور میواڑ پر اس کی ماں اس کے بجائے حکومت کرتی۔ ــــــ

گڑھے میں سے نکل کر کنوے میں گر پڑنے کی طرح رانا بھی اپنی ماں کی تنبیہوں سے آزاد ہو کر درباریوں کے ایک سیلاب میں گھر گیا جو دراصل بہروپئے حریف اور اپنے مطلب کے ہوشیار "ہمدرد" تھے۔ چنڈاوت اور سکوات دو طاقتور حریفوں میں تنازعہ ہو رہا تھا کہ رانا کے نام پر کون تخت و تاج سنبھالے

اور جب چنڈوت سردار کی ریشہ دوانیاں حد سے بڑھ گئیں تو رانا نے سندھیا کی امداد طلب کر لی۔

مرہٹے یہ خبر پا کر ٹڈی دل کی طرح میواڑ کی سرزمین پر پھیل گئے، اور جہاں بھی پہنچے بربادی اور غارت گری کا پرچم لہراتا چلا گیا۔ کرشنا کماری کے حُسن کی شہرت سُن کر سندھیا نے رانا سے شادی کی درخواست کر دی۔ راجپوت خواہ کس قدر کیوں نہ گر چکا ہو ایک مرہٹے کو اپنی ہمسری کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ انہیں دنوں آمیر کے راجہ جگت سنگھ نے کرشنا کماری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں طلب کیا۔ اگرچہ وہ خاندان کچھ زیادہ وقعت کی نگاہوں سے نہ دیکھا جاتا تھا کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی مغل دربار سے قرابت داری پیدا کی تھی مگر آمیر کا راجہ بہت طاقتور تھا۔ ایک راجپوت باپ کے لئے اس سے زیادہ توہین کی کوئی بات نہیں کہ وہ جوان بیٹی کو ٹھکرائے رکھے کرشنا کماری کی عمر پندرہ سال اور اٹھان بیس برس کا تھا۔ اسلئے جگت سنگھ والی آمیر کے ایلچی کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا اور منظوری کے پیغام سے بامراد واپس بھیجا گیا۔

اس موقعہ پر ایک اور سائل پیدا ہوا جو جگت سنگھ سے بھی زیادہ طاقتور تھا۔ اور وہ تھا راجہ مان سنگھ والئی مارواڑ جو اپنے بھائی کی جگہ تخت نشین ہو گیا تھا۔ اور ننھے ولیعہد کو قید کر دیا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ سب سے زیادہ اسی کا حق ہے۔ کیونکہ اس کے بڑے بھائی کے لئے کرشنا کماری کی مانگ تھی اور اس عہد نامہ کی رُو سے جو صرف والئی مارواڑ سے تھا۔ اور کسی نام کے ساتھ منسوب نہ تھا بھائی کی موت پر والئی مارواڑ وہی تھا۔ چنانچہ کرشنا کماری کی شادی اس کے ساتھ

ہی ہونی چاہیئے۔ در پردہ سندھیا کا طاقتور راجہ مان سنگھ کا پُشت پناہ تھا۔ کیونکہ جگت سنگھ نے سندھیا کی خاطر اپنی درخواست سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا تھا جگت سنگھ سے معاہدہ توڑنے کے لئے سندھیا کے سخت احکام رانا کو موصول ہوئے۔ لیکن ایک لمحے کے لئے یقین و بے یقینی کے دوراہے پر رُک کر رانا نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر سندھیا کی فوجیں اودے پور میں در آئیں۔ اور بھیم سنگھ کے لئے تلخ و گہری ترغیب کا باعث بن گئیں، ناچار رانا کو اب کسی مزید مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی اور معاہدہ توڑتے ہی بنی ——— اِدھر مان سنگھ کے لئے والئی مارواڑ ثابت ہونے میں رکاوٹ پیدا کرنے کی خاطر جگت سنگھ نے اچانک ایک چال چلی کہ ننھے ولیعہد کو چپکے سے اڑا لیا۔ جسے مان سنگھ نے نظر بند کر رکھا تھا۔ ننھے ولی عہد کو اپنے قبضہ میں کر کے جگت سنگھ نے اس کے ساتھ فوج جمع کرنا شروع کی۔ مارواڑ کی آدھی سے زیادہ فوجیں اپنے ننّھے راجہ کے جھنڈے کے تلے جمع ہو گئیں۔ اس بغاوت میں راجہ مان سنگھ کو بُری طرح شکست ہوئی اور اس قدر نقصان پہونچا کہ اگر اُسکے نزدیکی معتبر کار مدد نہ کرتے تو اس کے لئے خودکُشی کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ تھا۔ مان سنگھ نے خوف و ہراس سے گھبرا کر فرار اختیار کیا۔ اور جودھپور پناہ لی۔ اور در پردہ انتقام کی تیاریاں کرنے لگا۔ اُسیوقت جگت سنگھ کو اس کی ماں کا سندیسہ ملا کہ یکایک مارواڑ کی فوج آمیر پر حملہ آور ہو گئی ہے اور اس کے آدمیوں کو قتل و غارت کر کے راجدھانی جے پور کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس وحشت اثر خبر سے گھبرا کر جگت سنگھ اپنے وطن کی طرف پلٹ پڑا اور چالیس دستے پہلے سے حفاظت کے لئے آگے روانہ کر دیئے۔ اب لڑائی نے ایک

اور نیا رُخ پکڑا۔ چونکہ مار واڑ اور آمیر کی جنگ تھی، اس لئے مار واڑ کے تمام خیر خواہ اور سردار مان سنگھ سے مل گئے، جگت سنگھ کے رفقا رکار اور مار واڑ کے سپہ سالار اس کی دوستی بھول گئے۔ اور مان سنگھ کا دم بھرنے لگے۔ جگت سنگھ کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا، تمام املاک وفتوحات واپس کرنا پڑیں۔ اس تازہ بربادی سے گھبرا کر اور مرہٹہ سردار کو بھاری رشوت دیکر وہ بغیر لڑے بھڑے جے پور لوٹ گیا۔ اور اس طرح بلا حریف میدان راجہ مان سنگھ کے ہاتھ رہا۔

سندھیا کی فوج کے سپہ سالار افغان امیر خان نے بھیم سنگھ کے پاس اودے پور خبر بھیجی کہ اپنی بیٹی کی شادی یا تو راجہ مان سنگھ کے ساتھ کردو۔ ورنہ اُسے ختم کردو۔ اب سندھیا کو اپنی توہین کے انتقام لینے کا موقع ملا تھا۔ رانا بھیم سنگھ اس حکم سے شش وپنج میں پڑ گیا۔ رانا کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُس کے ایک درباری اجیت سنگھ نے جو در اصل امیر خان کا آوردہ تھا، اُسے صلاح دی کہ کیوں نہ اُس جیتی ہی کو ختم کردیا جائے جو اس قدر خونریزی اور انسانی جانوں کی بربادی کا باعث ہے ——
—— یعنی بھولی بھالی راجکماری کرشنا کماری کی طرف سے دل پہ پتھر رکھ لیا جائے! اگر رانا نے جگت سنگھ سے اپنا عہد توڑا تو اس کی ذلت ہو گی اور اگر وہ اپنے بس بھرے الفاظ پر قائم رہا تو سندھیا کی فوجیں گھس آئیں گی اور میواڑ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گی ——
—— "رانا صاحب کوئی سا امیدوار آپ پسند کریں ——

اور یہ بادی نیار ہے" مکار درباری نے پھسلا کر کہا" اس سے تو بہتر یہی ہے کہ کرشنا کماری کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ ایسا کرنا ایک کریہہ ترین جرم ہوگا۔ مگر ایسا جرم جو سارے مُلک کی جانیں بچاوے گا۔

کرشنا کماری کی قسمت کا ستارہ جھملا کر ٹوٹ گیا۔ راجہ نے ہتیار ڈال دیئے۔ آنسوؤں کی لگاتار لڑیاں ڈھلکتی ہوئی رخساروں سے گر گر کر زمین میں جذب ہونے لگیں۔ دل شکستہ حالت میں راجہ نے مان لیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اس خونی فیصلہ کو پورا کون کرے۔ شاہی خون ——— شاہی خون ہی بہا سکتا ہے ایک بہادر جنگجو جو رانا کا رشتہ دار بھی تھا بلایا گیا۔ اُس نے کہا کہ میں اور کسی معصوم بچے پر تلوار اُٹھاؤں؟ اس سے تو بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی میرا نام صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔ رانا اپنے برادر نسبتی کی طرف مڑا۔ مایوس و مغموم آنکھوں میں دو موٹے آنسو تڑپ کر رہ گئے۔ ایک لفظ کہے بغیر وہ اپنے خنجر کو میان سے نکالتے ہوئے تیزی سے حرم میں داخل ہوا۔ اُس کی نظریں تیز تھیں اور ہونٹ دانتوں میں دبے ہوئے تھے۔ مگر ایک انسانی دل سینہ میں بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ کرشنا کماری کی ایک ہی معصوم و بھولی سی نگاہ نے اس کے ماموں کے سارے حوصلے پست کر دیئے۔ اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے خنجر گر پڑا۔ بلکہ اس نے یہاں تک بھی اقبال کر لیا کہ وہ زنانخانے میں کس خوفناک عزم سے دُرّاتا چلا آیا تھا۔

سارے محل میں کہرام مچ گیا۔ ہر کس و ناکس رونے پیٹنے لگا۔ کیونکہ کرشنا کماری سب کی آنکھ کا تارا تھی۔ سب سے زیادہ اس کی ماں دھاڑیں مارتی تھی۔

کرشنا کماری کے سوا ہر شخص آہ و بکا میں مصروف تھا۔ اس نے اس مرحلہ کو ٹھنڈے دل سے سوچ کر نتائج پہ غور کرتے ہوئے سمجھ لیا تھا۔ ماں تم اپنا دل کیوں دکھاتی ہو! ——

بہادر لڑکی نے ماں کے پاس جاکر اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا ——
اپنے دل میں ایک لمحہ کیلئے بھی یہ دھیان نہ لانا کہ میں موت سے ڈرتی ہوں۔ کیا میں ایک راجپوت لڑکی نہیں ہوں؟ کیا میں تمہاری بیٹی نہیں —— ؟ راجپوت عورت کو پیدا ہی قربانی کے لئے کیا گیا ہے۔ میری پیاری ماں تم میرے لئے اپنے مقدس آنسو نہ گنواؤ۔ میری ذلیل ہستی اس قابل نہیں اگر مجھے پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ سینکڑوں آدمیوں نے محض میری وجہ سے جان گنوائی ہے تو میں اس سے قبل ہی اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتی۔ بہتر یہی ہے کہ ایک زندگی جو زندہ رہ کر موت و بربادی کا باعث ہو ختم ہی کر دی جائے تاکہ میواڑ میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہو"

اپنی ماں کی حیرت اور سکتہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کرشنا کماری نے زہر کا پیالہ لے لیا۔ جو ایک خادمہ نے اس کو رانا کے نام پر پینے کے لئے دیا تھا۔ پیالہ تازہ بنے ہوئے تیز زہر سے کناروں تک بھرا ہوا تھا۔ کرشنا کماری نے ایک گھونٹ میں غٹ غٹ پیالہ خالی کر دیا۔ کئی منٹ گذر گئے اور کچھ اثر نہ ہوا۔ شباب و جوانی کے حسین گلابی ہونٹوں پر ارتعاش تک پیدا نہ ہوا۔ دوسرا تازہ اور زیادہ طاقتور زہر کا پیالہ لایا گیا۔ اور ایک ثانیہ میں خالی تھا —— گویا زندگی خود اس کے جمال رشک آفریں سے مسحور ہو کر اس میں سموئے رہنے

پر مچل رہی ہو ——— لڑکی پر اس کا بھی شمہ برابر اثر نہ ہوا۔ اس زمانہ کا سب سے زیادہ قاتل سم ہلاہل لایا گیا اور کرشنا کماری کو موت کی آخری امید کے ساتھ دیا گیا ——— اُس نے زندگی کا آخری جام پیا۔ پیمانہ زندگی چھلک پڑا۔ ایک دم جُھرجُھری سی آئی۔ گویا کسی نے ایک نوخیز مگر مضبوط درخت کو ہلا ڈالا ہو، وہ تیزی سے لڑکھڑائی اور پاس کھڑی ہوئی خادمہ کی گود میں تیورا کر گری اور گٹھڑی بن کر ڈھیر ہوگئی۔

تشویش اور حیرت میں پھٹے ہوئے ہونٹوں پر ایک طمانیت انگیز مسکراہٹ تیر گئی۔ کچھ آنکھیں خونی آنسوؤں کے سیلاب میں تیرنے لگیں ———
کرشنا کماری ——— ؟؟؟ محض نام ابتک باقی ہے!!!

مجکو تو تم پسند......!

سنہ دس سو اٹھارہ دم توڑ رہا تھا کہ محمود غزنوی قنوّج کی زرخیز و مالدار سرزمین پر اچانک نمودار ہوگیا جس طرح تاریک گناہ آلودہ رات کا پردہ چاک کرنے کے لئے صبح کا انصاف پرور شہنشاہ مشرق کے اُفق پر نئی تابانیوں اور تازہ درخشانیوں کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ محمود قنوّج پر تیر تا چلا آیا۔ جہاں وہ خیمہ زن ہوا تھا انھیں پہاڑیوں کے نزدیک نزدیک۔ چلتا رہا۔ اور دریاؤں کو عبور کرتا ہوا طوفانی سیلاب کی طرح راٹھوروں کی راج دھانی میں بھی در آیا۔ لیکن قدرتی مضبوط دماغ کی وجہ سے شہر میں داخل ہونا مشکل ہوگیا۔ بہادر راٹھوروں نے سخت رکاوٹ پیدا کی مگر وہ جانتے تھے جو ڈھنگ محمود نے ڈالا ہے۔ اُس سے یہ کھیل زیادہ دن تک نہ چل سکے گا۔

گنگا کی لہریں بے چینی کی حالت میں اُداس و زرد چاند کی روشنی تلے چمک چمک کر تڑپ رہی تھیں۔ ایک تندرو توانا بھاری جسم کا انسان کپڑے ہوئے شہر میں گھومتا پھر رہا تھا۔ نہ اُسے کوئی سنتری روکتا تھا نہ کوئی بازپرس کرنے والا تھا ———— آخر اس کا تاریک سایہ شہر کی پیچیدہ گلیوں میں حل ہوگیا۔

خاموشی اور دھندلی چاندنی کے پردہ میں لپٹا ہوا قنوج بے حد خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ اگرچہ اس میں زندگی کی چہل پہل کی لہر ڈوبی ہوئی تھی۔ لیکن دیکھنے میں سنگ مرمر کے گورے گورے کلس اور گنبد چاندنی میں بے حد حسین معلوم ہوتے تھے۔ وہ مضبوط آوارہ شخص اپنے لبوں پہ ایک خاص قسم کی فاتحانہ مسرت انگیز مسکراہٹ لئے ہوئے لاپرواہی سے شہر کی سڑکوں پہ گشت لگا رہا تھا۔

یکایک ایک دردناک چیخ سنائی دی اور تیز دھار کی طرح خاموشی کے پردہ کو چیرتی ہوئی چلی گئی۔ بھاری بھرکم آوارہ گرد نے چونک کر اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ اس کی بڑی بڑی سرخ آنکھیں غصہ سے انگارہ بن گئیں۔ اس نے چند گز کے فاصلہ پہ دیکھا کہ سر سے پیر تک لبادہ میں لپٹے ہوئے دو دراز قد انسانی سائے بڑی بے دردی سے ایک جوان لڑکی کو گھسیٹ رہے تھے۔ جو ایک پیتل کے جنگلے پہ سلاخوں سے چمٹی ہوئی تھی اور اپنے بچاؤ کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ نقاب پوشوں میں سے ایک لڑکی کی آواز بند کرنے کے لئے اس کے منہ میں ایک میلا کپڑا ٹھونسنے کی زبردستی کوشش میں مصروف تھا۔ "علیحدہ کھڑے ہو جاؤ!" ایک گرجدار آواز گونجی——
——اور لڑکی پر سے اپنے ہاتھ ہٹالو——!"

نقاب پوشوں میں سے ایک تیزی سے اپنے قدموں پہ گھوما اور طیش میں مٹھیاں بھینچ کر کہا—— "آوارہ گدھے۔ شاہی کھیل میں دخل انداز ہونے کی تم کو کیونکر جرأت ہوئی؟" وہ اپنے پیروں کو جوڑ کر عجب بارعب انداز سے دخل انداز کو گھور رہا تھا۔ دخل انداز نے نہایت معنی خیز نظروں سے دونوں حریفوں کو غور سے دیکھا۔
"لڑکی کو اکیلا چھوڑ دو۔ اس نے نرمی سے کہا۔ ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"
"تم کو اپنے آقاؤں کے ساتھ دخل اندازی کا مزہ چکھایا جائیگا۔ دونوں نقاب پوش دونوں

ہیں سے چھوٹا غرّایا۔ اپنے حریفانہ و مدافعانہ برتاؤ سے باز آ جاؤ پھر تم پر کسی طرح آنچ نہ آئے گی"۔ نقاب پوش کی حرکات کا جائزہ لیتے ہوئے اور اس کے دوسرے قدم کو سمجھتے ہوئے دخل انداز نے جنگلی بلّی کی طرح تیزی سے چپٹ کر ایک خم دار خنجر نکالا اور اپنے ہونے والے قاتل کے سینہ میں پون بالشت اندر اُتار دیا۔ خون اُبلتے ہوئے دل کو پکڑ کر نقاب پوش وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے مُنہ سے آہ تک بھی نہ نکلی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ٹھنڈا ہو گیا۔ نقاب پوش سردار نے کسی تلخ جرأت سے زیادہ اپنے ساتھی کی موت پر تاسف کرنا شروع کیا۔ جو اس کے قدموں کے پاس خون کے تالاب میں نہائے مُردہ پڑا تھا۔ اُس نے نفرت سے کہا۔ میں راجکمار کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس کا تمھیں بھرے دربار میں جواب دینا ہوگا۔ ظالم بدمعاش ذرا صبح ہونے دے"۔ دخل انداز نے نوجوان نقاب پوش سے جو اس طرح بڑبڑا رہا تھا اور اب جس کا نقاب اُٹھ چکا تھا معنی خیز ہنسی سے کہا۔ "میں تمہاری اخلاقی جرأت کی داد دونگا۔ اگر تم مجھے زندگی کا یہ لُطف چکھا سکو۔ لیکن اسوقت تو تم رفو چکّر ہو جاؤ ورنہ قسمیہ جلد اپنے ساتھی سے جا ملو گے"۔ دخل انداز کا تنہا مقابلہ نہ کر سکنے کے خوف سے نقاب پوش نوجوان ہارے شکاری کی طرح بلبلاتا اور بل کھا کر رات کی تاریکی میں سما گیا۔

اسکی آواز رنج و صدمہ سے گلوگیر ہو گئی تھی۔ اپنی احسانمندی کے لئے الفاظ نہ ملنے کی وجہ سے بدقسمت لڑکی نے آنسوؤں سے گنگا جمنی چہرہ اپنے بچانے والے کی طرف اُٹھایا۔ "میری بچی اب مت روؤ"۔ بچانے والے نے اُس کا کانپتا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر تھپتھپاتے ہوئے تسلی دی۔ جبتک

میں یہاں ہوں تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔ تم کہاں رہتی ہو؟" یہاں سے پاس ہی ہے میرا مکان" لڑکی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "چلو تو میں تمھیں تمہارے گھر پہنچا دوں"۔ مہربان محافظ نے کہا اور اس کے گھر پہونچا دیا۔ جو اس سانحہ کی جگہ سے بالکل قریب تھا۔ لڑکی کے گھر والے ایک دم جاگ اُٹھے اور پریشانی میں زور زور سے آپس میں بحث و سوالات میں اُلجھ گئے۔ جس وقت سے اُس کے باپ نے اُسے ایک طاقت ور اجنبی کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا وہ چیخ رہا تھا۔ بولو پارتی خدا کے لئے کچھ بولو۔ اُس نے پاروتی کو اپنے سینے سے چمٹاتے ہوئے کہا۔ "بتاؤ تو سہی آتنی رات گئے تم کہاں تھیں اور یہ پردیسی کون ہے۔ میری بچی کچھ تو بتاؤ"۔ اپنے باپ سے چمٹتے ہوئے اور ہچکیوں سے دل توڑتے ہوئے لڑکی نے سب حال بتا دیا کہ کس طرح دو برقعہ پوش اُسے زبردستی اُٹھا لے گئے اور کس طرح اس شریف شخص نے اُسے بچایا۔ "جناب میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں لاکھ بار میں آپ کے قدموں میں سر رکھتا ہوں آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا"۔ اجنبی کی طرف دیکھ کر بوڑھے باپ نے لجاجت اور ممنونیت کی پُر خلوص نظروں سے کہا۔ "یہ میری ایک ہی بچی ہے۔ لیکن اسوقت سے اسکی زندگی آپ کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ کس کی سازش سے ہوا ہے۔ ہاں یہ راجکمار بسوئی ہی ہے۔ جو ایک بیحد ہی بے اُصولا اور آوارہ نوجوان ہے اور جسے اپنی اہمیت و خصوصیت کا بڑا گھمنڈ ہے۔ وہی میری لڑکی کو اپنی توجہ کا مرکز بنا کر بدنام کرتا رہا ہے۔ میں نے اس کو اپنے مکان کی حد میں آنے سے منع کر دیا تھا، اور اس کی بے جا حرکتوں پر کافی تنبیہ کر چکا تھا۔ کل میں اس کے باپ راجہ سے اسکی اپیل کرونگا"۔ میں خوش ہوا کہ کسی کے کچھ کام آسکا۔ اجنبی نے دخل دیا اور

پھر لڑکی کو اچھی طرح پیار سے تھپتھپا کر سب کو سلام کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

کورا قنوج کا راجہ تھا اور ریبوئی اس کا نوجوان لڑکا اور تاج و تخت کا واحد وارث! جب محمود غزنی نے قنوج پر حملہ کیا، راجکمار ریبوئی کو اس کے سوا کوئی کام نہ تھا کہ اپنی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں ڈوبا ہوا معراج کمال تک داد عیش دیا کرے۔ وہ مردانہ حسن کا اعلیٰ نمونہ تھا اور اس کی جوانی عام نظروں کیلئے جاذب توجہ ثابت ہوتی تھی۔ وہ اپنے چند بلند مرتبہ ساتھیوں کے ساتھ شہر کی سڑکوں پر گھوما کرتا تھا تاکہ حسین و جمیل اس پیراؤں سے اپنی پرہوس چمکدار آنکھوں کی پیاس بجھائے۔ اور شہر کی ہر حسین دوشیزہ اُن کی نگاہ میں رہتی تھی، اور روز و شب انھیں تلاش حسن سے کام تھا۔ اس نگاہ بازی کا تازہ تختۂ مشق بیچاری پاروتی ایک سوداگر کی لڑکی تھی۔ جس کا نام بنبیر تھا۔ وہ ایک انتہائی حسین و جمیل دوشیزہ تھی۔ اُسکے بال چمکدار تھے اور کٹورا سی شرابی آنکھیں تھیں۔ وہ اپنے ماں باپ کے دل کی راحت اور سب کی آنکھ کا تارا تھی۔ اسقدر حسین و جوان لڑکی۔ کیونکہ پاروتی ابھی پندرہ ہی برس کی تھی۔ بغیر معترضین کے کس طرح رہ سکتی ہے، بدقسمتی سے ان میں سے ایک ریبوئی بھی تھا۔ اور اس کی توجہ کو ٹھکرا کر پاروتی نے اپنے لئے مصیبت کھڑی کر لی تھی اور ریبوئی کی آتشِ عشق کو بھڑکا دیا تھا۔ صبح کی سفیدی نے غزنی فوج کی برچھیاں شہر میں چمکتی ہوئی دیکھیں وہ لوگ دفاعی تدابیر کو توڑتے ہوئے ایک ہلّے کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے۔ قنوج حملہ آوروں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اور شہر کے گنے چنے محافظوں نے راجہ کورا کی سرکردگی میں خود کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ محمود غزنی جہاں بہادر جنگجو تھا، وہیں ایک بلند خیال مفکر و مدبر بھی تھا۔ رحم پروری اور فراخدلی

کے نتائج پر غور کرتے ہوئے اس نے دشمن سے زیادہ ایک بھائی کی حیثیت سے راجہ کا خیر مقدم کیا۔ راجہ کورا کے ساتھ اس کا خاندان جس میں راجکمار لیسوئی بھی شامل تھا فاتح شہنشاہ کے روبرو اطاعت گذاری کے لئے حاضر ہوا۔ محمود نے شہزادہ کو ایک مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ بلایا۔ مگر شہزادہ میں کاٹو تو لہو نہیں وہ تو ڈر کے مارے سفید ہو رہا تھا کیونکہ اس نے محمود غزنی میں رات کے "شاہی کھیل" والے دخل انداز کی تصویر جھلملاتی دیکھی، محمود نے حیرت زدہ شہزادہ سے کہا۔

"نوجوان تم نے کل رات کہا تھا کہ صبح میری پیشی ہو گی؟ اچھا بتاؤ میں تمہارے خلاف کیا دعویٰ کر سکتا ہوں؟۔ اور وہ بھی تمہارے باپ ہی کے حضور میں نے تم کو زبردستی ایک نوجوان لڑکی کو اس کے گھر سے گھسیٹ کر لاتے ہوئے دیکھا تھا۔" شرم سے پانی پانی ہوتے ہوئے لیسوئی سے سر اوپر نہ اُٹھایا گیا۔ محمود نے رنجیدہ باپ سے کہا۔ "اچھا کورا اس قسم کے مجرم کے لئے تمہارا قانون کیا کہتا ہے؟" "اس وقت سے ہمارے قانون باطل ہیں" نہایت منصفانہ اور شاندار طریقہ سے کورا نے اقبال کیا۔ "کیونکہ آپ فاتح ہیں"۔ محمود نے فیصلہ کرنے سے قبل اپنی خوبصورت اور چمکدار ڈاڑھی میں انگلیاں پھیریں۔ کورا نے کہا۔ آپ قرآن کے احکام پر پابندی کرنے کے ہر طرح مجاز ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" تو میرا خیال ہے کہ اُسے اس لڑکی سے شادی ہی کر لینا چاہیئے۔ جس کی اُس نے اس قدر توہین کی ہے۔ لڑکی کی جانب سے کم از کم اس کفارہ کی ادائے گی کا حق تو اس پر ہے ہی، لڑکی کے باپ کو اور اسے بلا لیا جائے میں چاہتا ہوں کہ اپنے جانے سے قبل اس معاملہ کو طے کر جاؤں"۔ !

جونہی انھوں نے اس کی شکل میں گذشتہ عادات والے اجنبی اور مربّی کو پہچانا۔

پاروتی اور بنبیر محمود کے قدموں میں گر گئے۔ محمود نے انھیں محبّت وشفقت سے اُٹھایا اور سارا معاملہ بیان کیا، کہ کس طرح اُس نے کوراسے پاروتی اور یسوئی کی شادی طے کرلی ہے۔ بنبیر خوشی سے پھولا نہ سمایا مگر پاروتی ایک سرد آہ بھر کر خاموش ہو گئی۔ ایک دوررس طبیعت اور باریک بین نگاہ رکھنے والے محمود سے یہ بات زیادہ دیر تک نہ چھپ سکی اور اُس نے محسوس کر لیا کہ جہاں پاروتی اس رشتہ کے سراسر خلاف نہیں ہے۔ وہیں وہ اس سے بہت زیادہ خوش بھی نہیں۔ محمود نے تسلّی دیتے ہوئے پاروتی سے کہا۔ ناں! ناں!! میری بچی اگر کسی دوسرے خوش قسمت نوجوان نے تمہارا دل چُرالیا ہے تو میں اس رشتہ میں اپنے اثر ورُسوخ سے کام نہ لونگا۔ ابھی تمہاری زبان سے ایک لفظ نکلنے کی دیر ہے اور میں اس رشتہ کو توڑ دونگا۔

پاروتی نے اپنی التجا بھری نگاہیں، اُٹھائیں اور بھرپور محمود کی طرف ڈالدیں۔ اس طرح کہ محمود سٹ پٹا گیا۔ پہلی چمک سے اُس نے پاروتی کی آنکھوں میں صریح پیغام پڑھ لیا ——— کہ ——— مجکو تو تم پسند ہو" اپنی نظر کو کیا کروں،،

اس نے محسوس کر لیا کہ وہ خوش قسمت یا بدقسمت آدمی جس کی وجہ سے وہ اس رشتہ سے ناخوش ہے۔ اُس کے خود کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا......!

یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کو صحیح طور سے پہچان لیا گیا ہے اور اس کا اصل مطلب سمجھ لیا گیا ہے۔ پاروتی نے اپنا سر جُھکا لیا اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

حکومتیں ہماری باج گذار ہیں اور جو معدودے چند آزادی کا بہانہ کرنے کے لئے باقی بچی ہیں وہ بھی کافی سمجھدار ہو چکی ہیں کہ ہمارے غصہ کو خوش آمدید کہنے کی جرأت نہیں کر سکتیں۔ خیر یہ سب تو ٹھیک اور خواب ہوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہم تا زندگی جوان نہیں رہ سکتے، اسلئے ہمیں چاہیئے کہ اپنے جیتے جی اپنی پرجا سے خود کو سب سے بلند شہنشاہ منوا جائیں۔ تاکہ ہمارے مرنے کے بعد دشمن ممالک ہماری رعایا پر قبضہ نہ کر بیٹھیں۔ کیا یہ مناسب نہیں ؟"

"قطعی مناسب ہے جہاں پناہ"۔ اسکے درباریوں نے یک زباں ہو کر کہا۔

"تب ہمیں اشوامدہ یگیہ منانا چاہیئے اور خود کو تمام لوگوں کی نظروں میں شہنشاہ اعظم ثابت کروانا چاہیئے"۔ راجہ اگنی پترا نے کہا۔

اشوامدہ یگیہ گھوڑے کی قربانی کا نام تھا۔ قدیم ہندوستان کی تمام رسوم میں شاید ہی کوئی دوسری رسم اشوامدہ یگیہ کے برابر تاریخ میں مشہور ہو۔ جو شخص اس یگیہ کو کرتا تھا۔ اُسے ایک گھوڑا روانہ کرنا ہوتا تھا جو پورے جلوس اور شان کے ساتھ بھیجا جاتا تھا۔ اور وہ گھوڑا اس قسم کا ہوتا تھا کہ اُس کی پیدائش سے ہی اُسے اس مقصد کیلئے مختص کر دیا جاتا تھا۔ کوئی شخص نہ تو اس وقت تک اس پر سوار ہوتا ہے نہ کوئی بوجھ اس کی پیٹھ پر رکھا جاتا تھا اُسے پنڈت و پروہت منتروں اور پڑھے ہوئے خوشبودار پانی کے چھینٹوں سے مقدس و پاک کرتے اور اُس کے پیچھے پیچھے سواروں کا زبردست دستہ اُس کی حفاظت کیلئے ہوتا تھا۔ گھوڑا ایک سال تک بالکل آزادانہ گھومتا رہتا تھا۔ اور یہ یقین کیا جاتا تھا کہ اس کی مٹر گشت خود دیوتاؤں کے اشاروں سے اسی سمت ہوتی تھی، جدھر وہ چاہتے تھے۔ جہاں کہیں بھی مقدس گھوڑے کے پوتر قدم پڑتے

تھے وہ زمین اُس کے مالک کی ہو جاتی تھی اور گھوڑے کا مالک جہاں ضرورت پڑتی اپنے اس حق کے لئے تلوار بھی کام لیتا تھا۔ سال کے آخیر میں بڑی خوشی اور احترام سے مقدّس گھوڑا واپس لایا جاتا تھا، اور عوام کے سامنے دیوتاؤں پر اُس کی قربانی کی جاتی تھی۔

راجہ کے سب سے بوڑھے درباری نے کہا "ان داتا آپ نے بڑی اونچی سمجھ کی بات کہی ہے۔ لیکن اس پاک تقریب کو پورا کرنے کے لئے کسے چُنا جائے گا؟"

اگنی پتر نے کہا "میرا چھوٹا لڑکا راجکمار کپل!"

کپل محبّت اور جوش عقیدت سے جھک گیا اور تخت کے پیر چوم لئے اُسے اتنے زبردست اعزاز کے بخشے جانے کی اُمید نہ تھی۔ اگنی پتر نے کہا میرے بچّے تم جانتے ہو اشوامدھ یگیہ پر کسقدر اہمیتوں کا انحصار ہے، اُس شخص کو جو اس بلند و مقدس فرض کی ادائیگی کے لئے روانہ ہونا ہے۔ اسکی اہمیّت کا بھی پورا پورا احساس لازمی ہے، اور اُسے اپنے آقا کے حقوق کی پاسبانی بعض اوقات تک کی بازی لگا کر کرنا پڑتی ہے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ سب سے افضل یہ ہے کہ اُسے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ مقدس گھوڑا کس قدر پوتر اور اچھوتی چیز ہے۔ اور اسی کی حفاظت اور پاکی پر سارے یگیہ کا دارومدار ہے۔ اُسے اپنی سر دھڑ کی بازی لگا کر اس بات پر کاربند رہنا چاہیئے کہ اس مقدس تحفے کی بے حرمتی نہ ہونے پائے۔ اُسے دھیان رکھنا چاہیئے کہ اس کا کوئی بال بھی بیکا نہ ہو، کوئی نجس اُنگلی سے اِسے نہ چھوئے۔

اور کوئی ہلکے سے ہلکا وزن بھی اس پر ایک لمحہ کے لئے نہ رکھا جائے۔ میرے بچے یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ لیکن مجھے تم پر بھروسہ ہے، اس لئے اس خدمت پر تم کو مامور کیا جاتا ہے۔"

کپل نے دل کی گہرائیوں سے صداقت آمیز لہجہ میں کہا "میرے آقا آپ مطمئن رہیں میں اپنی طاقت سے زیادہ اس کو پورا کرنے کی کوشش کرونگا۔ مجھے میرے خوابوں سے زیادہ سعادت بخشی گئی ہے۔ میں تو خیال کر رہا تھا کہ یہ فخر واسدیو کو حاصل ہوگا کیونکہ وہ مجھ سے بڑا ہے۔"

اگنی پتر نے کہا "واسدیو اپنی جوانمردی کا ثبوت بہت سی جنگوں میں پیش کر چکا ہے۔ اب اس مرتبہ تمھیں اپنی بہادری کا ثبوت دینا ہے، اور مجھے امید ہے کہ تم اس میں کامران و بامراد واپس آؤ گے۔"

جس دن اور جس گھڑی کو نجومیوں اور پوتھی پروہتوں نے شبھ نکالا، اُسی دن بشوا مدیگیہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دوسرے دن تڑکے ہی تمام مندروں کی گھنٹیاں زور زور سے بجائی گئیں اور سنکھوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ لوگ جوق در جوق اس تماشہ کو دیکھنے کے لئے شہر کے دروازہ پر جمع ہونا شروع ہوئے۔ ایک مست نوجوان کی طرح سر ہلاتا ہوا اور شہزادے کی طرح غرور سے اکڑ اکڑ کر قدم رکھتا ہوا حسین و چمکیلا براق کی مانند نقرئی گھوڑا محل سے باہر نکلا۔ اُس کی چمکدار آنکھوں سے تقدس اور معصومیت ٹپکی پڑتی تھی۔ پنڈتوں نے اُس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے، اس پر منتر پڑھا ہوا متبرک پانی چھڑکا اور سیندور کے لال نشان سے

اُس کے خوبصورت ماتھے کے بیچوں بیچ تلک لگایا، محافظ جوان جو گھوڑے کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اس کے برابر کھڑا تھا اور ہزاروں سے اور ہزاروں سے اکیلا لڑنے کی ہمت رکھتا تھا۔ اس کی پشت پر لاتعداد تیروں کی ترکش تھی اور مضبوط کمان کندھے پر لگی تھی۔ وہ ایک لمبے سفر کے لئے تیار کھڑا تھا۔ سینا پتی چھتر پتی جو راجہ کی فوج کا ایک بوڑھا معتمد جانباز تھا۔ اس تمام گروہ کو راجکمار کپل کی سرکردگی میں لے جا رہا تھا۔ ایک بوڑھا پروہت بھی ساتھ تھا۔

کپل اپنے باپ کے قدموں پہ جھک گیا۔ اگنی پتر نے بیحد شفقت سے اُسے اور اس کی مہم کی کامیابی کے لئے دل سے دعائیں دیں۔ اس کے بعد دروازے کھول دیئے گئے اور خود اگنی پتر نے مقدّس گھوڑے کو باہر نکالا اُس کے پیچھے پیچھے ایک صبا رفتار راہوار پہ کپل سوار ہوا۔ لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں اور اس کی کامیابی کے نعرے لگائے۔ کپل کا دل غرور اور فخر سے بلّیوں اُچھل رہا تھا۔

اس کے بعد صبح کی ہواؤں کے مانند مقدس گھوڑا مستانہ چال سے آزادانہ ہو گیا۔ اس سے کچھ فاصلہ پہ کپل اس کے تعاقب میں چلا، گھوڑا کھیتوں اور دیہاتوں سے گذرتا چلا گیا اور کپل نے پورے دھیان سے اُس پہ کڑی نگاہ رکھی کہ وہ آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے، کن کن زمینوں اور علاقوں سے وہ گزرتا ہے۔ جن حکومتوں پر اُس کے مقدس قدم گئے۔ ان کو اس بات سے آگاہ کیا گیا۔ اس نے یہ بھی دھیان رکھا کہ گھوڑے

کو کوئی نقصان نہ پہونچانے پائے کوئی ناواقف کسان یا چور اس پر ناپاک ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہ کرے، چراگاہوں کی کمی کے دوران میں اُسے معقول اور پاک دانہ گھاس ملتا رہے اور درندوں سے اس کی حفاظت ہوتی رہے۔ اس طرح وہ اپنی مہم کو سر کرتے چلے جا رہے تھے، سفر کے شروع میں کوئی بات قابلِ اعتراض نہ ہوئی اور ہر قدم بخیر و خوبی پورا ہوتا گیا۔ شروع میں گھوڑا اُنھیں آسان منزلوں سے راجپوتانہ اور بندیل کھنڈ میں لے گیا جو دونوں ریاستیں پہلے ہی اگنی پتر کی مطیع ہو چکی تھیں۔ پھر وہ گجرات میں نکل گیا جہاں کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئی۔ لیکن اس کے بعد اُس نے ایک خوفناک قدم اُٹھایا اور برار کی طرف مڑ گیا۔ اس جگہ سیناپتی چھتر پتی جو سب لوگوں میں بلحاظ عمر عموماً اور بلحاظ جنگی تجربات اور فوجی قابلیت خصوصاً عقلمند تھا۔ راجکمار کپل سے اس کے خیمہ میں ملا۔ اُس نے کہا۔

"حضور عالی اس جگہ شاید ہم کو کچھ دقتیں پیش آئیں۔ برار ایک چھوٹی سی حکومت ہے، لیکن خوفناک حد تک خود مختار بھی۔ یہاں کا بوڑھا راجہ سندھو عالیجاہ کا مقابلہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے گا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ وہ جنگ کریں گے؟" کپل نے دریافت کیا۔

سیناپتی نے کہا۔ "یقیناً! حضور وہ اس میں دریغ نہ کریں گے"

کپل کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اُسے لڑائی کا ابھی تک کوئی تجربہ نہ تھا، اُس کے دل میں اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کا بڑا ارمان تھا اُس نے کہا۔ "اچھی بات ہے، ہم بھی لڑنا جانتے ہیں! لیکن پہلے ہم کو ان کی طرف صلح مندانہ قدم اُٹھانا چاہیئے۔"

سیناپتی اس کی بغل میں اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے آدمی اس کے پیچھے چل رہے تھے وہ آہستہ آہستہ شہر کو روانہ ہو گیا۔ لیکن جب وہ وہاں پہونچا تو دیکھا کہ راجہ ستادھو کے آدمی پہلے سے اس کے استقبال کے لئے موجود ہیں اور جنگی صفوں میں لبس کھڑے ہیں۔ اُنھوں نے کپل کی طرف غصّہ اور نفرت کے انداز سے دیکھا اور بیزاری کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اُنھوں نے اپنی کمانوں میں چلّے چڑھا ہی رکھے تھے ان کو اپنی طرف آتا دیکھ کر کمانیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ اس کے بعد وہ سیلاب کی طرح آگے بڑھے اور آزادانہ سامنے آ ڈٹے اگرچہ وہ تعداد میں تھوڑے تھے مگر تھے۔ بیحد جنگجو اور لڑاکا۔

کپل کے آدمیوں پر اچانک حملہ ہوا تھا، مگر وہ کاوا دے کر سنبھل گئے اور یکایک برار کے بہادروں سے دست بدست ہو گئے۔ وہ اب تک ایک خوفناک پلٹا کھا چکے تھے۔ کپل اس خواہش سے بُری طرح مغلوب ہو کر کہ وہ پُوری طرح جنگ کو اپنی نگاہ میں رکھّے اپنے گرز کی جماعت کو ریلتا ہوا اُس جگہ دراتا چلا گیا۔ جہاں لڑائی سب سے زیادہ گھن کی ہو رہی تھی۔ کپل کو دیکھ کر سیناپتی چھتر پنج کے چہرہ پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ کھیل گئی۔ اس کے دل میں اعتراف ہو رہا تھا۔ وہ نوعمر کپل کو محبّت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا، اور اُسے خوشی ہو رہی تھی کہ کپل سالم عمر لڑکا خود کو نبرد آزما جوان مرد ثابت کر رہا تھا۔ اس طرح لڑائی کا جوار بھاٹا پلٹے کھاتا رہا لیکن ہر لمحہ حملہ آوروں کے حق میں فیصلہ کی اُمید ہوتی تھی۔ اسی لمحہ کپل نے دیکھا کہ ایک نازک سالڑکا زرہ بکتر پہنے اور تلوار لگائے برار کے

لڑاکاؤں کے عقب میں ادھر اُدھر گھوم کر انھیں ہمت دلا کر بڑھا رہا ہے گو وہ خود تلوار نہ چلاتا تھا۔ لیکن سپاہیوں پر اس کے الفاظ کا جادو کی طرح اثر ہوتا تھا اس کی آواز بیحد صاف اور بچکانہ تھی اور صورت سے بڑی معصومیت برستی تھی۔

کپل نے خیال کیا یقیناً یہ راجہ کا بیٹا ہے اور اس کی طرف سے نفرت اور غصّہ کے جذبات پیچ و تاب کھانے لگے کہ وہ خود تو لڑنے کی تکلیف گوارا نہ کرتا تھا اور غریب سپاہیوں کو جوش دلا کر اور لڑا کر قتل کرا رہا تھا۔

کپل نے دل میں ٹھان لی کہ اس سے دُو دُو ہاتھ ہوں اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنی تلوار گھماتا ہوا اس بُری طرح اُس پر حملہ آور ہوا کہ حریف مخالف مشکل سے اس کی تاب لاسکا حتیٰ کہ اس سے بچاؤ کی صورت بھی نہ بن پڑی اور یقیناً اس بچاؤ میں بہت کچھ خامی رہ گئی تھی۔ وہ ایک بہتر شمشیر زن تھا لیکن اُس کے ہاتھ میں سست اسقدر کم تھا کہ کپل کی تلوار نے جلد ہی اُسے نیچا دکھادیا اور اس کے کاندھے میں ایک کاری زخم آیا۔

اسی لمحہ کپل نے یکا یک حیرت وا چنبھے کی حالت میں محسوس کیا کہ وہ نوجوان انجام کار لڑکا نہیں تھا۔ بلکہ خود کے اندر ایک بیحد حسین و نازک زنانہ چہرہ جھلک رہا تھا وہ ایک لڑکی تھی جو برار کے جنگجوؤں کے ہمرکاب لڑ رہی تھی۔ کپل ابھی اس حیرت انگیز انکشاف پر حیران ہی تھا کہ وہ چوٹ اور غش کے اثر سے تیورا کر گھوڑے کی زین سے نیچے ڈھلک گئی۔

کپل خود اپنے گھوڑے سے اُدچھل پڑا اُسے اس وقت تک کچھ یاد نہ تھا۔ اس وقت اس کے دل پہ محض اس کی بے مثال شجاعت پر بیحد معترفانہ خیالات چھائے ہوئے تھے، اور اب وہ صرف اُسے اس جانکاہ صدمہ سے بچانے کے متعلق سوچ سکتا تھا۔ کپل نے جھک کر اُسے غور سے دیکھا کہ وہ بالکل بیہوش تھی اور نیم مردہ ہو چکی تھی، برار کے سپاہیوں کی صف سے ایک دلدوز وحشیانہ چیخ نکلی "شہزادی قتل ہو گئی"۔ اگرچہ ہونا یہی تھا لیکن اس حادثہ نے اُن کی شکست کو اور یقینی کر دیا۔ یکایک وہ گھبرا کر اور مغلوب ہو کر پلٹ پڑے کپل کے آدمی ان کی پُشت پر تعاقب میں دوڑ رہے تھے، یہ بھگدڑ اور ان کا تعاقب اس قدر تیزی سے ہوئے کہ کپل سوائے اس کے کچھ نہ کر سکا۔ کہ زمین پر جھک جائے اور اپنے جسم سے شہزادی کے بچاؤ کے لئے ڈھال مہیا کرے۔ ہر آن یہ خیال تو ہوتا تھا کہ اُڑتی ہوئی ٹاپوں تلے، اس کا جسم کچل کر مردہ ہو جائیگا۔ حیرت انگیز طور پر وہ بچ گیا۔ جنگ کا دیوتا ان کے سروں پر منڈلایا۔ غرّایا، دھاڑا اور جوار بھاٹے کی طرح دھڑ دھڑ کرتا گذر گیا۔ وہ دونوں اتفاقیہ بچ گئے۔ جنگ کا میدان سوائے مُردہ جسموں کے خالی پڑا تھا۔ برار پھاٹکوں پہ دھول کے بادل اور اکّا دکّا لڑائی کی چھیڑ چھاڑ دکھائی پڑ جاتی تھی۔ جو شہر پناہ کی مضبوط فصیل سے ٹکرا کر بکھرتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ وہ لڑکی کی طرف پھر پلٹا۔ بازو پہ جہاں اُس کی تلوار لگی تھی۔ زخم سے خون برابر تیزی سے بہہ رہا تھا۔ "آہ! اُسکے کس بُری طرح گھاؤ ہوا تھا" وہ بیان کرنے سے قاصر تھا، اسکی حالت دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ دوسرے لمحے اُس نے محسوس کیا اس کا دل لڑکی کے سینہ میں پہونچ چکا ہے۔ یکایک اُسے سخت مایوسی اور خوف نے گھیر لیا۔ کہ کہیں یہ مدد

ملنے سے پہلے وہ مر نہ جائے۔ اسی بدحواسی کے عالم میں اُس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ اُمید کی ہلکی سی کرن بھی کہیں دکھائی نہ دیتی تھی، آخر کار اس نے اپنی پُشت کی طرف گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنی۔ فوراً مڑا اور دیکھا کہ سفید سفارش گھوڑا دھیمی چال میں جنگ کی بربادیوں اور نعشوں پر بچا بچا کر قدم رکھتا ہوا چلا آرہا ہے۔ گھوڑے نے اپنے مالک کو دیکھا اور ہنہنا کر ایک ثانیہ کے لئے رُکا اور کپیل کی طرف محبّت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

اُسے اس بات کا تو علم تھا نہیں کہ گھوڑا لڑائی کے میدان میں کس طرح چلا آیا۔ لیکن اُس کی آمد سے وہ اور بھی زیادہ کش مکش میں پڑ گیا۔ اس کی حالت بڑی پیچیدہ ہو رہی تھی، اور اسی فکر سے مغلوب ہو کر اس نے خطرناک ترین اقدام کر ڈالا۔ اُس نے وہ بات کر ڈالی جو اُسے نہ کرنی چاہیئے تھی۔ اُس نے لڑکی کے زخمی جسم کو زمین سے اُٹھایا۔ گھوڑے کی پُشت پر رکھا اور خود اس کے پیچھے سوار ہو کر ایک دم خیمہ کی سمت روانہ ہو گیا۔

اُن کی آمد کے شور سے پروہت باہر نکل آیا اُسے اُمید تھی کہ کپیل سے جنگ کے صحیح حالات معلوم ہونگے۔ اُس نے کپیل اور اُس جانور کو دیکھا جس پر وہ سوار تھا۔ اُسے سکتہ سا ہو گیا۔ ڈر اور تشویش اُسکے چہرے پر بھیانک رنگ بھر رہے تھے۔ اُس نے پھٹے ہوئے منہ سے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

دیوتاؤ رحم کرو! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔۔! کیا یہ سب سچ ہے؟ کپیل نے جلدی سے کہا" گرو جی اور کوئی علاج ہی نہ تھا۔

اس کے سوا۔ یہ کہہ وہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور شہزادی کو بھی آہستہ سے اپنے ہاتھوں پر اُتار لیا۔ اس نے کہا: "گرو جی یہ برار کی شہزادی ہے۔ عجیب بُری طرح زخمی ہوئی ہے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ یہ کہیں مر ————"

"کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ تمہیں معلوم بھی ہے تم نے کیا کر ڈالا؟ تم نے ناقابل بیان ناپاکی کا پاپ کیا ہے!" پروہت نے انتہائی خوفناک غصہ کی حالت میں کہا۔ لیکن کپل اس سے قبل اپنے خیمے کی طرف جا چکا تھا، اس نے اپنے محافظ کو بلایا جو کام میں مہارت رکھتا تھا۔ کہ وہ شہزادی کے زخموں کی مرہم پٹی کرے۔ آخر کار حالات اس حد تک خطرناک نہ رہے، جس کے لئے وہ ڈر رہا تھا۔ تاہم کپل ساری رات شہزادی کے سرہانے بیٹھا رہا اُسے اب بھی بڑی ندامت اور پشیمانی تھی بڑے عرصہ کے بعد وہ ہوش میں آئی اور اپنی رام کہانی سنانے کے قابل ہوئی۔ اس نے بتلایا کہ یہ سانحہ کس طرح ہوا تھا، اور یہ کہ وہ برار کے راجہ سندھو کی بھتیجی ہے۔ اس کا نام "مایا" ہے، اور سوائے راجہ کے اُس کا دنیا میں کوئی نہیں۔ راجہ بھی اُسے بیٹے سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اُسکے بھی کوئی اولاد نہیں ہے۔ چونکہ راجہ لڑائی کے میدان میں آنے کے لئے بہت کمزور اور ضعیف ہے بلکہ وہ تو اپنی جگہ چھوڑ کر محل سے باہر نکلنے سے بھی معذور ہے۔ اس لئے اُسکے بجائے شہزادی کو برار کی فوجوں کے ساتھ آنا پڑا اور انھیں راجہ کے نام پر ہمت دلا دلا کر دشمن سے مقابلہ کا جوش دلایا۔ اور چونکہ اُسے برار کی آزادی کی خواہش تھی، اسلئے وہ جان کی بازی لگا کر مردانہ کپڑوں میں گھوڑے پر سوار ہو کر فوجوں کے ہمراہ محل سے نکل کھڑی ہوئی اُس نے کہا: "کاش میں مرد ہوتی" ——— "مجھے خوشی ہے کہ آپ نہیں ہیں!"

کپل نے مسکرا کر کہا، اور اس کے مکمل حسن کی دل ہی دل میں تعریف کرتا۔ اسکی صورت میں محو ہو گیا۔ وہ اس کی صحت یابی سے اس قدر مسرور تھا کہ اسکے دل میں کسی دوسرے خیال کو سمانے کو جگہ ہی نہ تھی۔ حتیٰ کہ وہ فی الحال اس قدر شدید پاپ کے متعلق بھی جو اس سے سرزد ہو گیا تھا، کچھ نہ سوچ سکتا تھا۔ اور اس کے دماغ میں پس منظر یہ آ گیا تھا۔ مایا نے اُسے اپنی موافقت میں دیکھتے ہوئے اس کے برتاؤ، حسن، جوانی اور سجیلے پن پر اپنا دل نچھاور کر دیا۔ اُس کا دل خود بخود اپنے بچانے والے کی طرف کھینچنے لگا۔

علی الصباح سیناپتی، چھتری اور اُسکے آدمی خیموں میں واپس آ گئے۔ اُس نے خبر دی کہ راجہ سندھو نے شکست قبول کر لی ہے۔ لیکن وہ ڈر رہا تھا کہ کپل کل سے غائب ہے بلکہ اُسے تو یقین تھا کہ وہ مارا گیا۔ اس پر پروہت اسے علیحدہ بلا کر لے گیا۔ اور دیر تک وہ دونوں بڑی تشویش اور رازداری کے انداز سے کانا پھوسی کرتے رہے۔ جس پر لوگوں کو شک ہوا اور طرح طرح کی افواہیں مُنہ در مُنہ سارے عملہ میں پھیل گئیں۔ اسی وقت پروہت اور سیناپتی دونوں شہزادے کے خیمہ میں گئے جو اس وقت بھی زخمی شہزادی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے چہروں کو دیکھ کر اسے ماحول کی نزاکت کا احساس ہوا اور وہ بالکل بے حس و حرکت اس انتظار میں خاموش کھڑا ہو گیا کہ وہ خود بات چھیڑ چھیڑیں۔ سیناپتی نے خشمگیں انداز میں کپل سے کہا۔ "کیا یہ سب سچ ہے جو میں عالیجاہ کے متعلق سُن رہا ہوں؟ یقیناً اس میں غلطی کی گئی ہے!" کپل نے گردن جھکا کر بے حد اُداس اور ٹوٹے دل سے کہا۔

____ "اس میں کوئی غلطی نہیں! یہ حقیقت ہے!" بوڑھے سیناپتی کا چہرہ ایک دم زرد ہو گیا۔ گویا اُسے سانپ نے ڈس لیا ہو۔ اُس نے کہا "بس بات ختم ہوئی اب آگے کچھ باقی نہیں رہا۔ ہمارا سفر یہیں ختم ہوتا ہے۔ عظیم ترین ناپاکی اور پاپ سرزد ہو چکے ہیں اور پیشوا امیدھ یگیہ اب بیکار ہے۔" کپیل نے کہا:" اور میں نے اپنے باپ کو نامراد اور شرمندہ کیا ہے؟ خود اس کے اعتماد کو خاک میں ملا دیا۔"

"جی ہاں بیشک!" سیناپتی نے کہا اور رنجیدگی سے باہر چلا گیا۔ اُسے کپیل سے بڑی محبت اور اُمید تھی۔

کپیل شرم اور پچھتاوے سے بھرا کھڑا تھا۔ مایا بڑی مشکل سے اُٹھ کر آئی اور اُس کے پہلو میں کھڑے ہو کر اُسے دلاسا دینے کی کوشش کرنے لگی "نہیں، نہیں تم تشویش نہ کرو۔ یقیناً تمھارے والد تمھیں معاف کر دینگے۔ اور اصلیت سے واقف ہونے کی کوشش کرینگے۔" لیکن کپیل ایسی اُمید کرنے سے زیادہ انجام سے واقف تھا۔

اس کے بعد وہ اور اس کے ساتھی جو ایک شہزادی کے پہونچانے کے لئے مناسب محافظ معلوم ہوتے تھے۔ برار کے ٹوٹے ہوئے دروازہ سے نکل کر منہدم دیواروں پر ہوتے ہوئے اس کے محل کی طرف روانہ ہوئے اُنھوں نے واقعی راجہ سندھو کو بہت معمر اور کمزور پایا وہ اپنی مسند پر بیٹھا ہوا ____ مایوسی سے اپنے آنجہانی جنگجوؤں اور شہر کی بربادی پر سوچ رہا تھا۔ اس نے کپیل کی طرف مہمان نوازی اور اخلاق سے دیکھا۔ اور کہا۔ "میرے فاتح! کیا تم مجھ سے مسرت حاصل کرنے آئے ہو؟" کپیل نے کہا

"نہیں راجہ سندھو ایسا نہیں ہے۔ میں تو محض شہزادی مایا کو بحفاظت تمہاری سپردگی میں دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں" خلاف امید بڑی زہریلی طنز کے انداز میں راجہ نے کہا "اور جب کہ وہ ایک رات تمہارے خیمہ میں گذار آئی ہے، میرے دشمن کی بخوشی ہونے والی مہمان ؟ کیا اس کے بعد بھی تم یہ امید کرتے ہو کہ میں اسے واپس لے لونگا؟ اس نے اپنے لئے اب کونسی حرمت باقی چھوڑی ہے ؟

کپیل نے سختی سے کہا "راجہ سندھو تم اپنی بھتیجی کے متعلق غلط خیال کر رہے ہو، وہ میدان جنگ میں میرے ہاتھ سے زخمی ہو گئی تھی اور میں اُسے بیہوشی کی حالت میں اُٹھا کر لے گیا تھا"

راجہ سندھو نے صاف الفاظ میں کہا "کاش وہ مر ہی گئی ہوتی" اس کی بوڑھی سُرخ آنکھیں اُن دونوں کی طرف چمکیں اور نفرت سے اُس نے منہ پھیر لیا اُس کی آواز حقارت سے بھاری ہو گئی۔ آخر بار اُس نے کہا۔ "میرے لئے وہ پہلے ہی مر چکی ہے۔ اس وقت تم اسے لیجا سکتے ہو جو تمہاری مرضی ہو وہ اس کے ساتھ کرو۔ بلاشبہ وہ پہلے ہی تمہاری ملکیت ہو چکی ہے" اس پر مایا نے خوفزدہ اور بیکس نظروں سے کپیل کی طرف دیکھا کپیل اس کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے مُسکرایا اور کہا "راجہ! میں شہزادی کو اپنے باپ کے دربار میں لیجاؤں گا اور اگر وہ بخوشی اس پر راضی ہو گئی تو اُسے اپنی رانی بنا لونگا"

کپیل کے آدمی اپنی ناکامی کے احساس سے بوجھل اُس سفر سے واپس

ہونے لگے جسے اُنہوں نے اس قدر غرور سے شروع کیا تھا۔ کپل اُن سے دزاہٹ کر چلا، شرم کے مارے وہ زمین گڑا جاتا تھا۔ وہ نہ پروہت کی خشمگیں نگاہوں اور خوفناک چہرے اور نہ بوڑھے سینا پتی۔ چھتر پتی کی اُداس نظروں کا مقابلہ کرنے کی تاب لاسکتا تھا۔ سینا پتی اس کو بیٹے سے بھی زیادہ چاہتا تھا آہ! صرف مایا اُس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور اسکے غم میں شرکت کر کے اپنی حسین باتوں سے اس کا دل لبھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مقدس گھوڑا گروہ کے برابر دوسرے گھوڑوں کے ساتھ چل رہا تھا۔ ماسوا اس کے اس پر کوئی سوار نہ تھا۔ اُس میں اب کوئی پاکی اور تقدس باقی نہ رہا تھا۔ آخر کار اس طرح وہ بغیر کسی خوشی اور ولولے کے اگنی پتر کے محل میں واپس آگئے۔

راجہ نے دوبارہ دربار عام کیا۔ اس کے وزرا اور درباری اُس کے چاروں طرف بیٹھے تھے اور بڑا لڑکا داس دیو اُسکے داہنی طرف بیٹھا تھا۔ میناروں پر بیٹھے ہوئے چشم براہ نگہبانوں نے خبر دیدی تھی کہ کپل آرہا ہے۔ کپل نے اپنے ساتھیوں کو بیرونی صحن میں چھوڑا اور سینا پتی، پروہت اور مایا کو ہمراہ لیکر وہ اپنے باپ کے سامنے اپنی مہم کے متعلق خبر دینے کو حاضر ہوا۔

اگنی پتر کا چہرہ سُرخ تھا۔ اُس نے درشتی سے کہا "کپل یہ کیا حرکت ہے؟ دو مہینے بھی تمہیں گئے نہیں ہوئے کیا تم بُری خبریں لائے ہو کہ اسقدر جلد واپس آگئے ہو؟"

کپل تخت کے آگے باپ کے قدموں پر جا پڑا۔ اُس نے لجاجت اور رقت سے کہا "انتہائی بُری خبریں پتا جی! میں نے ناقابل تلافی گناہ کیا ہے۔ واحد میرے

قصور سے یشوامدہ یگیہ ناکام ہو گیا۔"

"لیکن کس طرح"، اگنی پتر نے دریافت کیا۔ اس کی شکل کی خوفناکی دیکھی نہ جاتی تھی۔

"میرے آقا میں نے اپنی ناقابل بیان پریشانی سے اس دیوی کو جو برار کے راجہ سندھو کی بھتیجی ہے، اور جس کو میری تلوار نے اتفاقیہ بُری طرح زخمی کر دیا تھا۔ بچانے کیلئے مقدس گھوڑے کی معصومیت میں چھوت کا پاپ کر ڈالا۔ اس کی حفاظت کی خاطر اُسے استعمال میں لے آیا اور اس پر اس کا زخمی جسم لا دیا۔"

کپل نے یہ حیرت انگیز حادثہ بیان کیا اور سارے دربار میں استعجاب اور خوف کی دھیمی لہر دوڑتی چلی گئی۔ اس نے اپنا بیان جاری رکھا "ہم راجپوتانہ۔ بندھیلکھنڈ اور گجرات سے بلا مقابلہ یا مدافعت کے گزر گئے لیکن برار کے راجہ نے ہمارے راستے میں رکاوٹ پیدا کی۔ ہم لڑے اور فتح حاصل کی اور اسی جگہ یہ بدقسمت شدنی پیش آئی۔ میرے آقا! میرے باپ ——— میں اپنا رنج اور ندامت کس طرح بیان کروں؟ میں اب تمہارا بیٹا کہلانے کا مستحق نہیں!" "ہاں" ——— اگنی پتر نے اور زیادہ زور اور حقارت سے کہا ——— یہ صحیح ہے۔"

کپل خاموش رہا۔

گہری اور خوفناک آواز پھر گونجی: "اس شخص کے ساتھ جس نے خود اپنے لئے یشوامدہ یگیہ کو نجس کیا ہو، اپنے باپ سے اس کے زور بازو سے پیدا کی ہوئی حکومت کو لوٹا ہو اور اس کے ساتھ دھوکا کیا ہو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا تمہارے علاوہ اور کوئی اس کا قصوروار ہو سکتا ہے۔ کپل اور تمہاری سزا موت ہے! لیکن مجھے افسوس ہے کہ اس کے باوجود بھی تم میری اولاد ہو اور میں اپنے سر

اپنے بیٹے کا خون لینا نہیں چاہتا۔ اس لئے میں اس قدر رحم کرونگا کہ صرف تمہیں ساری عمر کے لئے جلاوطنی تجویز کرونگا" کپل نے مایا کو چپکے سے دُہراتے سُنا۔" جلاوطنی!" ایک اور دبی ہوئی خوف انگیز آہ سُنائی دی۔ اس کا بڑا بھائی داس دیو جلدی جلدی اندر ہی اندر ٹھنڈی سانسیں لے رہا تھا۔ وہ اُٹھا لیکن اس کا سر اب بھی جھکا ہوا تھا۔ اُس نے ادب سے کہا" پتا جی میں اسی لائق ہوں!" "میں آج سے تمہارا پتا نہیں" اگنی نے پتر نے کہا۔

کپل مڑا۔ دربار کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لیکن سب لوگ ایک طرف کو ہٹ گئے اور کپل سے بچتے ہوئے سب نے درمیان میں ایک گلی سی بنا دی۔ جس میں سے ہو کر وہ تنہا نکلتا چلا گیا۔ اُس نے ان کی نگاہوں کے گرم تیروں کو محسوس کیا جو چاروں طرف سے اُس پر مرکوز تھے، اور وہ زخمی دل کو تھامے چلا جا رہا تھا۔

جب وہ صدر دروازہ کے قریب پہونچا تو اس نے ہلکے ہلکے نازک قدموں کی چاپ اپنے پیچھے محسوس کی۔ وہ مڑا اور مایا کا اُداس و حسین چہرہ اُس کے سامنے تھا۔ اُس نے کہا" مایا اب تم کو مجھے آخری الوداع کہنا چاہیئے۔ تم واپس چلی جاؤ۔ میرے پتا تمھارے لئے تمام سہولتیں مہیّا کر دیں گے اور تم سے تمھارے شاہی مرتبہ کے شایانِ شان برتاؤ سے پیش آئیں گے۔ مایا نے کہا" میں تمہارے ساتھ ہی آ رہی ہوں۔ خاموشی سے وہ کپل کے پاس اُس کے قدموں میں گر پڑی۔ ان کے محل سے باہر آتے ہی شاہی دروازے ان کے پیچھے بند کر دیئے گئے اور مسلح سنتری پہرہ دینے لگے۔ وہ ٹھہر گئی۔

فصیل کے باہر کھڑے تھے۔ اور ان کے سامنے کھلا جنگل حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ کپیل نے بیحد رنج و تکلیف سے کہا: "تمہارے لئے میں باعث رنج و ملالت ثابت ہوا!" ——— "ہم اس برائی کی شرکت کریں گے۔" مایا نے مسکرا کر کہا۔

یکایک اُن کے پیچھے شور و غل بلند ہوا اور ٹاپوں کی آواز کان میں آئی۔ محافظ سفید گھوڑے کو مار کر باہر نکال رہے تھے۔ جو کبھی اسقدر مقدس تھا اور اب آبادی سے خارج کر دیا گیا تھا۔

اُس نے کپیل اور مایا کو دیکھا اور اُن سے ہل جانے کے انداز سے ان کے پاس آکر ہنہنانے لگا۔ اور جب وہ سڑک پر ایک طرف کو چل دیئے تو وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ قدم ملا کر چلنے لگا۔

اور یہی تینوں پاپ میں شریک ہوئے تھے۔ کپیل نے مسکرا کر گھوڑے کے عیال پکڑے اور مایا کو اس پر بٹھا کر "اس پاپ" کی نگری سے کہیں دُور چلا گیا۔

خاتمہ

شاہی دسترخوان

مغلیہ شہنشاہوں کے دسترخوان پر جو نت نئے کھانے سجائے جاتے تھے، تاریخ کے صفحوں پر ان کا ذکر موجود ہے۔ لیکن ان کے بنانے کی ترکیب ایک خفیہ راز ہے۔ شاہی دسترخوان پر روزمرّہ کے عام کھانوں میں بھی جو لذت پائی جاتی تھی وہ کوشش کے باوجود دوسری جگہ پیدا نہ ہو سکتی تھی کیونکہ شاہی باورچی کا راز اسی کے ساتھ دفن ہو جاتا تھا۔ مگر جب دہلی لٹ گئی، اور مغلیہ حکومت ختم ہو گئی تو دہلی کے کمال پیسہ پیسہ کو محتاج ہو گئے، جو راز صدیوں سے ان کے سینوں میں محفوظ تھے۔ ان میں سے کچھ کچھ منظر عام پر آنے لگے۔ کتاب شاہی دسترخوان ایک اسی قسم کی نئی دریافت ہے۔ جس میں شاہی باورچی کے مکمل راز شائع کر دیئے گئے ہیں۔ تاجدار اقلیم سخن رضیہ سلطانہ تحسین دہلوی نے اس میں ہر مذہب کے مختلف اور مزیدار کھانوں کی نہایت آسان اور بےحد ارزاں ترکیبیں درج کر دی ہیں، جن پر عمل کر کے آپ کے گھر کی عورتیں اپنے دسترخوان کی لذت کو اتنا زیادہ بڑھا سکتی ہیں کہ آپ انگلیاں چاٹتے رہ جائیں۔ اب اس کتاب کی ہزارہا جلدیں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ دو سو ساٹھ صفحوں کا یہ چوتھا شاندار ایڈیشن شائع ہوا ہے، اپنے ہاں کے بدمزہ اور بےلذت کھانوں کو لذیذ اور ذائقہ دار بنانے کے لئے اس کی ایک جلد منگا لیجئے۔ بچیوں کے لئے یہ اچھی اُستانی ثابت ہوئی ہے۔ محض اس کتاب کے سبب آج بہت سی لڑکیاں سسرال میں آنکھ کی تارا بنی ہوئی ہیں۔ ضخامت ڈھائی سو صفحات (قیمت مجلد ڈھائی روپے)

جواہر لال کی کہانی

ہندوستانیوں کے دلوں میں اس کی محبت کا ایک دریا بہہ رہا ہے
یہ ہندوستان کا وہ ہیرو ہے، جس نے ریاست اور امارت پر لات مار کر
بدنصیب ہندوستان اور اس کے مصیبت زدہ باشندوں کے
لئے اپنے آپ کو جسمانی اور رُوحانی تکلیف کے لئے دعوت دی ہے
اور یورپ کے عالی شان ہوٹلوں اور سربہ فلک عمارتوں کو چھوڑ کر
لاٹھیوں کی بوچھاڑوں اور جیلخانہ کی تاریک کوٹھریوں میں رہنا قبول
کیا ہے وہ ہندوستان کا بے تاج بادشاہ ہے اور ہندوستانیوں کے
دلوں پر اس کی حکومت ہے۔ لوگوں کو یقین ہے کہ وہ انکی بھنور میں پھنسی
ہوئی جس کشتی کو کھے رہا ہے، وہ ایک نہ ایک روز ضرور ساحل سے لگا دے گی۔
ہندوستانی سیاست کے رُخ کو پلٹ دینے والے اس جانباز کے
حالات زندگی "جواہر لال نہرو کی کہانی" کے نام سے شائع کئے گئے ہیں
جنھیں جادو نگار مسٹر محمد رحیم چمن دہلوی نے مرتب کیا ہے اور نہایت
دلنشیں انداز میں لکھا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ ہندوستان
کی سیاسی فضا سے باخبر ہو جائیں گے۔ اور کانگریس کی پوری تاریخ آپ
کی آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔

قیمت چار روپے۔ علاوہ محصول

اختر بہن

تمہارے گھر میں اب کے سے یہ بہار کہاں سے پھٹ پڑی۔ جدھر دیکھو گل گلزار کھلا رکھا ہے، تکیوں پہ خوبصورت پھول، پلنگ کی چادر پہ دلکش بوٹے ننھے کی فراک پہ رنگین گلدستے اور خود تمہارے اپنے کرتے دوپٹے پر دیدہ زیب بیلیں، آخر یہ گھر اس طرح باغ و بہار کیسے بن گیا۔ اب تو دولہا بھائی کا دل بھی گھر میں خوب لگتا ہوگا۔ ایسے چمنستان میں سے جانے کو کس کا دل چاہے گا بہن ذرا مجھے بھی تو بتاؤ تم ایسی سگھڑ دلہن کب سے بنیں۔

اختر اپنی چنچل سہیلی جمیلہ کی باتیں سن کر ہنس پڑی اور کہنے لگی کیا تمھیں نہیں معلوم منیجر نیا کتاب گھر اردو بازار جامع مسجد دہلی نے بڑی اچھی کتاب

مشرقی مغربی کشیدہ کاری!

چھاپی ہے، اسے محترمہ رضیہ سلطانہ بیگم چمن دہلوی نے مرتب کیا ہے اور اپنے نام کی مناسبت سے واقعی اس میں چمن کھلا دیا ہے اور ماہر فن گلکاروں نے اس میں پھول بوٹے اور گلدستے بنانے اور اشعار اور آیات قرآنی لکھنے میں تو غضب ہی ڈھا دیا گھر داری میں استعمال ہونے والے ہر کپڑے پر کاڑھنے کیلئے اس میں سینکڑوں قسم کی حسین و جمیل چیزیں ہیں، یہ ۳۰+۲۰ سائز سفید چکنے کاغذ پر ڈیڑھ سو صفحے کی موٹی کتاب ہے، اردو میں کشیدہ کاری کے متعلق اس شان کی کتاب اب تک نہیں چھپی تھی۔" تو بہن" جمیلہ بولی "ابھی میں بھی وہ کتاب منگا کر اپنے گھر کو چمن بناؤں گی" قیمت ایک جلد دو روپے آٹھ آنہ محصول ڈاک چھ آنے

ملنے کا پتہ:- نیا کتاب گھر بازار جامع مسجد دہلی

باغی لڑکی

محترمہ شفیق بانو صاحبہ نے اپنے لکھے ہوئے افسانوں کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع کردیا ہے۔ اس مجموعہ میں اکیس بہترین افسانے درج ہیں۔ ہر افسانہ پڑھنے والوں کا دل متاثر کر دیتا ہے۔ افسانوں کے عنوان یہ ہیں:۔

باغی لڑکی۔ سہارا، ملاپ، چمپا کا زرد پھول، زخمی شکاری۔ خاموش التجائیں، جوانی کبھی نہیں، سوکن کا پیار۔ زندگی کا قانون، شاعر کو دیوتا کیوں سمجھا۔ خواب۔ پاگل، دوراستے۔ پیغام موت۔ غریب کی حسرت ہی حسرت، دل کے مندر میں پہلی روشنی، مزدور نی کا بچہ۔ ماتا کی آخری جھلک، نہیں پہلے تم، بیکس کی نعش وغیرہ۔ کتاب کا دیباچہ مسٹر آصف علی بیرسٹر ایم ایل اے نے لکھا ہے، اور شفیق بانو صاحبہ کے افسانوں کی اور زبان کی سادگی کی اور عام فہم انداز کی تعریف کی ہے۔ اس میں شک نہیں ہے، کہ بیگم موصوفہ کے بعض بعض افسانے مولانا راشد الخیری مرحوم کے افسانوں سے سبقت لے گئے ہیں۔ رسم و رواج کے ظلم و ستم دقیانوسی خیالات کی بُرائی سماج کی پابندیوں کی تصویر شفیق بانو صاحبہ نے کمال قابلیت کے ساتھ ان افسانوں میں پیش کی ہے بڑے بڑے افسانہ نگار اور قابل ایڈیٹر حیرت میں کہ ایسے دلآویز اور حیرت میں ڈالنے والے افسانے ایک مسلمان خاتون نے کیسے لکھ دیئے۔

قیمت دو روپے (عہ) مجلد حسین گرد پوش

ملنے کا پتہ

نیا کتاب گھر اردو بازار جامع مسجد دہلی

پنکھڑیاں

جادو نگار مسٹر محمد رحیم تحسین دہلوی کے بہترین افسانوں کا حسین و جمیل مجموعہ ہے جس میں سے ہر افسانہ کو ناقدانِ فن نے شاہکار تسلیم کیا ہے۔ ان میں سے بعض افسانوں میں موجودہ معاشرت پر طنز کے تیر و نشتر ہیں اور بعض میں محبت اور رومانیت کو سمو دیا گیا ہے۔ غرض یہ افسانے حقائق حیات کے صحیح ترجمان ہیں۔ کیونکہ ان میں انسانی زندگی اپنی تمام کمزوریوں اور اپنی تمام نیکیوں کے ساتھ موجود ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو محسوس ہو گا کہ یہ افسانے نہیں ہیں بلکہ مصنف نے خود آپ ہی کی زندگی کی تصویر کھینچ کر رکھدی ہے۔ اور آپ کے تڑپتے ہوئے دل کے ٹکڑوں کو نکال کر صفحہ قرطاس پر بکھیر دیا ہے۔

سہ رنگا ٹائیٹل نہایت خوشنما گرد پوش

قیمت فی جلد دو روپے۔ محصول ڈاک چھ آنے علاوہ

چاند سورج کی چوری

فنِ سُراغ رسانی کا وہ لاجواب ناول جس میں جاسوسی کے کارناموں اور محبّت کی کرشمہ سازیوں کو آمیز کر کے ایک بیحد دلکش پلاٹ پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی ہر ہر سطر اپنے دامن میں ندرت اور جدّت کی ایک دُنیا چھپائے ہوئے ہے۔

محمد رحیم چمن دہلوی نے اپنے پرواز تخیّل اور رفعت بیان کا شاہکار بنا کر اُردو ادب میں بیمثال اضافہ کیا ہے۔ اس کی مقبولیّت اور پسندیدگی کا ادنیٰ اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اس کا پہلا ایڈیشن اپنی اشاعت کے پہلے ہی سال ختم ہو گیا تھا۔ یہ حسن و محبّت کا ایک عجیب رومان ہے۔ جسے آپ مدتوں اپنے دل سے بھُلا نہ سکیں گے۔ اس میں مصنّف کے طرز بیان کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ اسے مرد، عورت، بوڑھے، بچّے، شادی شدہ اور کنواری لڑکیاں سب بے تکلّف پڑھ سکتے ہیں۔ چکنا کاغذ مضبوط خوبصورت ٹائیٹل قیمت دو روپے (عہ)

محبت کی ایک نگاہ

ایک انسانی زندگی میں کیسے کیسے انقلاب پیدا کر سکتی ہے

اور وحشی درندوں کو کس آسانی سے رام کر سکتی ہے

اس کا حال

اگر دیکھنا منظور ہو

تو

ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی کا دلچسپ اور دلکش افسانہ

پتھر سے ہیرا

ملاحظہ فرمایئے جو اپنی ادبی خوبیوں کے لحاظ سے بھی معدنِ اردو کا ایک درخشندہ ہیرا ہے۔ یہ سچا قصہ آپ کو بتائے گا کہ اس دنیائے انسانی میں ایک عورت کی سچی ہمدردی اور محبت بھری گفتگو کیسے کیسے جادو کر سکتی ہے۔ یہ قصہ آپ کو اس بات کا بھی دلا دے گا کہ بچوں کی صحیح تربیت کا طریقہ کیا ہے، قصہ اسقدر دلچسپ اور دلآویز ہے کہ کتاب شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر اسے چھوڑنے کو کسی طرح دل نہیں چاہتا۔ مجلد اور گرد پوش حسین۔

قیمت دو روپے (۲؍)۔